© rasailojaraid.com

وجودِ باری تعالیٰ

نظریہ ہائے علم الکلام کی روشنی میں (۴)

ڈاکٹر حافظ محمد زبیر ☆

(۶) اللہ کہاں ہے؟

(ا) کتاب وسنت کا موقف: قرآن مجید میں سات مقامات پر یہ نقل ہوا ہے کہ ہمارا رب زمین اور آسمانوں کی تخلیق کے بعد عرش پر بلند ہوا' جس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ زمین اور آسمانوں کی تخلیق سے پہلے وہ عرش پر بلند نہ ہوا تھا۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ﴾ (الاعراف:۵۴)

''بلاشبہ تمہارا رب وہ ہے کہ جس نے زمین اور آسمانوں کو چھ دنوں میں پیدا کیا اور پھر عرش پر مستوی ہوا۔''

یہی مضمون سورۃ یونس' سورۃ الرعد' سورۃ طٰہٰ' سورۃ الفرقان' سورۃ السجدۃ اور سورۃ الحدید میں بھی منقول ہے[۱]۔

اگر تو اللہ تعالیٰ کے عرش پر بلند ہونے کا معنی یہ بیان کریں کہ اس سے مراد اس کا غلبہ اور اقتدار ہے تو اللہ کا غلبہ اور اقتدار تو زمین اور آسمانوں کی تخلیق سے پہلے بھی موجود تھا۔ اگر غلبہ اور اقتدار کا معنی مراد لے بھی لیا جائے تو سوال یہ ہے کہ یہ غلبہ اور اقتدار کس پر حاصل ہوا ؟ عرش' زمین اور آسمانوں کی تخلیق سے پہلے سے ہی موجود تھا تو کیا اُس وقت اللہ عزوجل کو عرش کا غلبہ اور اقتدار حاصل نہ تھا؟ اور اگر اس کا معنی یہ کریں کہ اس سے مراد قصد اور ارادہ ہے کہ اللہ عزوجل نے عرش بنانے کا ارادہ اور قصد کیا تو پہلی بات تو یہ ہے کہ عربی زبان میں ''استوی علی'' کا محاورہ قصد اور ارادے کے لیے نہیں آتا بلکہ قصد اور ارادے کے لیے ''استوی اِلٰی'' کا محاورہ استعمال ہوتا ہے' جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ﴿ثُمَّ اسْتَوٰى اِلَى السَّمَاءِ﴾ ہے کہ پھر اللہ عزوجل نے آسمان کے بنانے کا قصد کیا۔ اور دوسری بات یہ ہے کہ اس سے مراد عرش بنانے کا قصد اور ارادہ ہو تو پھر یہ سوال باقی رہا کہ عرش بنانے کے بعد اس عرش کا کیا کیا؟ یا عرش بنانے کا مقصد کیا تھا؟

علاوہ ازیں قرآن مجید میں اللہ عزوجل کے صرف عرش پر مستوی ہونے کا بیان نہیں ہے بلکہ ایک جگہ فرمایا کہ اُس نے زمین اور آسمانوں کو پیدا کیا جبکہ اُس کا عرش پانی پر تھا۔ اور قرآن مجید اور سنت نبوی ﷺ کا بیان یہی ہے کہ عرش' زمین اور آسمانوں کی تخلیق سے پہلے موجود تھا' البتہ اللہ عزوجل اس عرش پر بلند' زمین اور آسمانوں کی

☆mzubair@citilahore.edu.pk

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تخلیق کے بعد ہوئے (۲)۔ قرآن مجید میں ایک مقام پر اللہ عزوجل کو عرشِ عظیم کا رب اور دوسرے مقام پر عرشِ کریم کا رب کہا گیا ہے (۳)۔ جب عرش کی صفات میں اس کا عظیم اور کریم ہونا ہے تو اس صورت میں عرش کی اقتدار اور غلبے سے تاویل کرنا درست نہیں ہے کہ قرآن مجید کے ظاہر سے معلوم ہو رہا ہے کہ عرش کوئی حسی چیز ہے۔ اسی طرح قرآن مجید میں یہ بھی ارشاد ہے کہ اگر اللہ کے علاوہ اور معبود موجود ہوتے تو وہ لازماً عرش والے کی طرف راستہ تلاش کرتے (۴)۔ اور یہ بھی قرآن مجید میں موجود ہے کہ قیامت والے دن حساب و کتاب کے بعد فرشتے اللہ کے عرش کے گرد صفیں باندھے تسبیح بیان کر رہے ہوں گے (۵)۔ اب اگر عرش سے مراد کوئی معنوی شئے ہے تو اس کے گرد فرشتوں کے جمع ہونے کا کیا معنیٰ ہے؟ اسی طرح قرآن مجید میں ایک مقام پر یہ بھی ذکر ہے کہ اللہ کے عرش کو فرشتوں نے اٹھایا ہوا ہے اور دوسری جگہ تو یہ بھی ذکر ہے کہ قیامت والے دن ان فرشتوں کی تعداد آٹھ ہو گی کہ جنہوں نے عرش کو اٹھایا ہو گا (۶)۔ اب کیا اس سے یہ مراد لی جائے کہ اللہ کی قدرت اور بادشاہت کو فرشتوں نے اٹھا رکھا ہے؟ اہل تاویل اس پر یہ اعتراض کرتے ہیں کہ کیا آپ یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ اللہ عزوجل کی ذات کو فرشتوں نے اٹھا رکھا ہے؟ یہ اعتراض درست نہیں ہے۔ اللہ عزوجل اور اللہ عزوجل کے عرش میں فرق ہے اور فرشتوں نے عرش کو اٹھا رکھا ہے۔ اور سلف صالحین جب اللہ عزوجل کو عرش پر مانتے ہیں تو وہ فوقیت کی صفت کے ساتھ مانتے ہیں کہ اللہ عزوجل عرش کے اوپر ہیں نہ کہ اس طرح کہ اللہ عزوجل کوئی جسم ہے جو عرش میں سمایا ہوا ہے یا عرش کو اس کا وجود مَس کر رہا ہے یا عرش نے اس کو اٹھایا ہوا ہے وغیرہ وغیرہ۔ اس قسم کے اقوال مُشبّہ کے ہیں کہ جن کی سلف صالحین نے نفی کی ہے۔

حدیث میں ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے دعا میں کہا کہ اے اللہ! آپ کی اتنی حمد و ثناء کہ جتنا آپ کے عرش کا وزن ہے۔ اب عرش سے اللہ کی قدرت اور بادشاہت کا معنی مراد لینے کی صورت میں اس کا وزن کیا ہو گا؟ (۷) ایک حدیث میں ہے کہ جن فرشتوں نے اللہ کے عرش کو اٹھایا ہوا ہے وہ اتنے بڑے ہیں کہ ان کے کان اور کندھوں کے مابین کا فاصلہ سات سو سالوں کے برابر ہے (۸)۔ ایک اور روایت میں ہے کہ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کی وفات پر رحمٰن کا عرش ہل اٹھا (۹)۔ ایک اور روایت کے الفاظ ہیں کہ قیامت والے دن جب لوگ اٹھائیں جائیں گے تو سب سے پہلے اللہ کے رسول ﷺ اٹھیں گے اور آپ دیکھیں گے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرش کے پائے کو تھاما ہو گا (۱۰)۔ شفاعت اور مقام محمود کے بیان والی طویل روایت میں ہے کہ آپ ﷺ قیامت والے دن عرش کے نیچے سجدہ میں گر یں گے (۱۱)۔ بعض روایات میں یہ بھی ہے کہ اللہ عزوجل بعض مخصوص نیکیوں پر ان کے کرنے والوں کو اپنے عرش کا سایہ نصیب کریں گے (۱۲)۔ ایک روایت میں ہے کہ شہداء کی اَرواح اللہ کے عرش کے ساتھ لٹکی قندیلوں میں رات گزارتی ہیں (۱۳)۔ بعض روایات میں رحم کے اللہ کے عرش کے ساتھ معلق ہونے کا بھی ذکر ہے (۱۴)۔ امر واقعہ یہ ہے کہ نصوص میں موجود اتنی صراحت' بیان اور وضاحت کے بعد عرش کے معنی میں تاویل کسی تحریف سے کم واقعہ نہیں ہے۔

ایک روایت میں سورج کا مستقر یعنی جائے قرار' عرش کو قرار دیا گیا ہے (۱۵)۔ ایک روایت کے الفاظ ہیں کہ جنت کے ایک سو درجات ہیں' اور دو درجات کے مابین فاصلہ اتنا ہی ہے کہ جتنا زمین اور آسمان کے مابین

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہے۔ اور سب سے بلند درجہ جنت الفردوس کا ہے اور اس کے اوپر رحمٰن کا عرش ہے[16]۔ حضرت زینب ؓ بقیہ ازواج پر فخر کرتی تھیں کہ میرا نکاح سات آسمانوں کے اوپر ہوا ہے[17]۔ ایک روایت کے الفاظ ہیں کہ اللہ عزوجل نے جب تقدیر طے کی تو اس وقت اپنے پاس عرش کے اوپر یہ لکھا کہ ''میری رحمت' میرے غضب سے سبقت لے گئی ہے''[18]۔ ایک روایت کے الفاظ ہیں:

عَنْ اَبِیْ رَزِیْنٍ، قَالَ : قُلْتُ : یَارَسُوْلَ اللّٰہِ ، اَیْنَ کَانَ رَبُّنَا قَبْلَ اَنْ یَخْلُقَ خَلْقَهٗ؟ قَالَ : ((کَانَ فِیْ عَمَاءٍ مَا تَحْتَهٗ هَوَاءٌ وَمَا فَوْقَهٗ هَوَاءٌ ، وَخَلَقَ عَرْشَهٗ عَلَی الْمَاءِ))[19]

''حضرت ابورزین ؓ سے روایت ہے کہ میں نے کہا: اے اللہ کے رسول ﷺ! مخلوق کو پیدا کرنے سے پہلے ہمارا رب کہاں تھا؟ تو آپ نے فرمایا: ''خلاء میں تھا کہ اس کے اوپر بھی ہوا تھی اور اس کے نیچے بھی ہوا تھی۔ اور اُس نے اپنا عرش پانی پر بنایا۔''

امام ترمذی' امام ذہبی اور علامہ ابن حجر رحمہم اللہ نے اس روایت کو حسن کہا ہے۔ امام ابن جریر طبری' امام ابن حبان' علامہ ابن العربی اور امام ابن قیم رحمہم اللہ نے صحیح جبکہ امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے مشہور کہا ہے۔

نقل اور نص کا بیان یہی ہے اور نقل اور نص کا بیان کبھی عقل کے خلاف نہیں ہوتا بشرطیکہ وہ عقل صحیح ہو۔ اس پر اہل تاویل اور اہلِ تفویض کی طرف سے یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ اللہ کی ذات ''محل حوادث'' نہیں ہے کہ ''محل حوادث'' ہونا نقص اور عیب ہے اور اللہ کی ذات نقص اور عیب سے پاک ہے۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ حادث' ہر صورت میں نقص اور عیب نہیں ہوتا اور دوسری بات یہ ہے کہ ایک اللہ کی صفات ہیں اور دوسرا اس کے متعلقات ہیں۔ صفات تو ازلی ہیں لیکن ان صفات کے متعلقات اور اثرات' حوادث ہیں۔ مثال کے طور کلام' اللہ عزوجل کی صفت ہے اور یہ ازلی ہے' لیکن اس کے متعلقات اور اثرات حوادث ہیں کہ اللہ عزوجل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کوہِ طور پر جو کلام کیا تھا تو وہ ازلی نہ تھا' وہ حادث تھا' بایں معنی کہ ایک خاص وقت میں ہوا' اور اللہ عزوجل کی صفت سماعت ازلی ہے' لیکن اللہ عزوجل نے حضرت خولہ بنت ثعلبہ ؓ اور اللہ کے رسول ﷺ کا جو مکالمہ سنا تھا' تو نہ تو وہ مکالمہ ازلی تھا اور نہ ہی وہ سماعت باری تعالیٰ ازلی تھی' جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿قَدْ سَمِعَ اللّٰہُ قَوْلَ الَّتِیْ تُجَادِلُكَ فِیْ زَوْجِهَا وَتَشْتَكِیْٓ اِلَی اللّٰہِ ۖ وَاللّٰہُ یَسْمَعُ تَحَاوُرَكُمَا ؕ اِنَّ اللّٰہَ سَمِیْعٌۢ بَصِیْرٌ ①﴾ (المجادلة)

اشاعرہ کا کہنا ہے کہ اللہ کے افعال حادث ہیں لیکن یہ اللہ کی ذات کے ساتھ قائم نہیں ہیں' جبکہ سلفیہ کا کہنا ہے کہ اللہ کے افعال اللہ کی ذات کے ساتھ قائم ہیں۔ اشاعرہ کی دلیل یہ ہے کہ اگر حوادث کو اللہ کی ذات سے قائم مانا جائے گا تو یہ اقرار کرنا پڑے گا کہ اللہ کی ذات زمان میں ہے' اور یہ درست نہیں ہے۔ سلفیہ کے نزدیک افعال' اللہ کی صفات ہیں جبکہ اشاعرہ اسے صفات نہیں مانتے بلکہ مخلوق مانتے ہیں۔ لیکن یہی اشاعرہ دوسری طرف کلام کو صفت مان لیتے ہیں۔ اللہ کے افعال حادث کیوں ہیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ عزوجل کسی کو پیدا کر رہے ہیں اور کسی کو موت دے رہے ہیں تو یہ سب حوادث ہیں کہ زید ایک خاص وقت میں پیدا ہوا اور ایک خاص وقت میں فوت ہوتا ہے۔ اللہ نے زید کو پیدا کیا۔ اللہ خالق ہے اور زید مخلوق ہے۔ اور زید' اللہ کے فعل خلق کا اثر اور نتیجہ ہے۔ اگر زید کو وجود دینے والا فعل خلق قدیم ہے تو زید بھی قدیم ہوگا' جبکہ ایسا نہیں ہے۔ پس صحیح

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

موقف یہی ہے کہ صفتِ خلق کی نوع قدیم ہے جبکہ اس کے افراد‘ متعلقات اور اثرات‘ حوادث ہیں۔

اگر تو محلِ حوادث سے مراد یہ ہے کہ اس کی ذات میں کوئی ایسی صفت پیدا نہیں ہوتی جو پہلے موجود نہ ہو تو یہ درست ہے‘ لیکن اگر اس سے مراد افعالِ اختیاریہ کا انکار ہے تو یہ بات درست نہیں ہے۔ اسی طرح اگر ہم عقل سے یہ پوچھیں کہ دو وجود ہیں کہ جن میں سے ایک اپنے آنے جانے اور اپنی ذات میں تصرف پر قدرت رکھتا ہے جبکہ دوسرے کے لیے یہ ممکن نہیں ہے کہ وہ کہیں آ جا سکے یا اپنی ذات پر تصرف کر سکے تو ان میں سے کون سا وجود کامل ہے؟ تو لازماً عقل کا جواب یہ ہوگا کہ پہلا وجود کامل ہے[۲۰]۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ استواء عرش کی صفت ہے‘ جیسا کہ ابوالحسن الاشعری‘ الباقلانی‘ قاضی ابویعلی اور ابن عقیل رحمہم اللہ سے مروی ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ اللہ عزوجل‘ عرش میں حرکت پیدا کرتے ہیں کہ وہ اللہ کے اس طرح قریب ہو جاتا ہے کہ اللہ عزوجل اس پر مستوی ہوں۔ انہوں نے لازمی افعال کو متعدی بنا دیا ہے[۲۱]۔ اس گروہ نے اگرچہ افعالِ اختیاریہ کا انکار کیا ہے لیکن اللہ کے عرش پر مستوی ہونے کا انکار نہیں کیا۔

ایک قول اس میں تفویض کا ہے کہ جسے امام بیہقی اور ایک قول کے مطابق امام رازی رحمہما اللہ نے اختیار کیا ہے۔ اسے بعض اشاعرہ نے سلف کا موقف کہا ہے‘ حالانکہ سلف صالحین کے بارے یہ دعویٰ کرنا درست نہیں کہ وہ بغیر سمجھے محض قرآن مجید کے الفاظ پر ایمان رکھتے تھے اور اس بارے ہم آگے چل کر تفصیل سے نقل کریں گے۔ امام مالک رحمہ اللہ نے ’’الاستواء معلوم‘‘ سے مراد تفویض نہیں لی بلکہ حقیقت مراد لی ہے جبکہ کیفیت کے علم کا انکار کیا ہے‘ ورنہ تو معلوم کیوں کہتے۔ اگر تفویض مراد لیں تو ’’الاستواء مجہول‘‘ ہونا چاہیے تھا۔ تفویض تو علم نہیں ہے بلکہ جہالت کا اظہار ہے۔

تیسرا قول روافض اور کرامیہ کا ہے کہ جو اللہ کو عرش پر مانتے ہیں‘ لیکن ان میں سے وہ بھی ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ اللہ کا وجود عرش سے مَس کر رہا ہو‘ اس طرح کہ نہ تو عرش اللہ کے وجود سے زائد ہے اور نہ اللہ کا وجود‘ عرش سے زائد ہے۔ اور بعض کا کہنا ہے کہ اللہ عرش کے بعض حصے میں سمایا ہے۔ اور بعض کا کہنا ہے کہ عرش اللہ کے وجود سے بھر گیا ہے۔ اور بعض کا کہنا ہے کہ اللہ کا جسم ہے کہ جس کی ابعاد (dimentions) ہیں لیکن یہ جسم کسی مخلوق جیسا نہیں ہے۔ ان کو مشبہ کہتے ہیں۔ یہ استواء کی کیفیت کو بیان کرتے ہیں جو کہ ممنوع ہے کہ ہمیں اس کا علم نہیں دیا گیا۔ اور ایک قول سلف صالحین کا ہے کہ استواء معلوم ہے لیکن کیفیت مجہول ہے۔

(ب) <u>سابقہ آسمانی کتب کا موقف</u>: اللہ کے عرش پر مستوی ہونے کا بیان ہر اُس کتاب میں موجود ہے کہ جو کسی نبی اور رسول پر نازل ہوئی ہے[۲۲]۔ انجیل میں ہے کہ حضرت مسیح ابن مریم علیہ السلام نے کہا: ’’لیکن میں تم سے یہ کہتا ہوں کہ بالکل قسم نہ کھانا‘ نہ تو آسمان کی کیونکہ وہ خدا کا تخت ہے‘‘[۲۳]۔ ایک اور جگہ کہا کہ: ’’اور جو آسمان کی قسم کھاتا ہے‘ وہ خدا کے تخت کی اور اس پر بیٹھنے والے کی قسم کھاتا ہے‘‘[۲۴]۔ ایک اور جگہ کہا کہ: ’’اور اگر تم معاف نہ کرو گے تو تمہارا باپ جو آسمان پر ہے‘ تمہارے گناہ بھی معاف نہ کرے گا‘‘[۲۵]۔ ایک اور مقام پر ہے کہ: ’’مگر سلیمان نے اس کے لیے گھر بنایا لیکن باری تعالیٰ ہاتھ سے بنائے ہوئے گھروں میں نہیں رہتا۔ چنانچہ نبی کہتا ہے کہ خداوند فرماتا ہے کہ آسمان میرا تخت اور زمین میرے پاؤں تلے کی چوکی ہے۔ تم میرے لیے کیسا گھر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بناؤ گے یا میری آرام گاہ کون سی ہے"[۲۶]۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی مروی ہے کہ کرسی سے مراد دو قدموں کے رکھنے کی جگہ ہے[۲۷]۔ علاوہ ازیں اسی قسم کا مضمون کتابِ مقدس کی آیات متی کی انجیل ۷/۱۱، ۱۰/۳۲۔۳۳، ۱۹/۱۸، ۹/۲۳ افسیوں: ۱۲/۶، کلسیوں: ۱/۴ وغیرہ میں بھی موجود ہے۔

(ج) **سلف صالحین، ائمہ دین اور محدثین عظام کا موقف**: عام طور یہ غلط فہمی پائی جاتی ہے کہ شاید توحید اسماء وصفات کے باب میں امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے غلو سے کام لیا ہے اور ان سے پہلے تو شاید ہی کوئی اس کا قائل رہا ہو، حالانکہ یہ بات قطعی طور غلط ہے کہ توحید اسماء وصفات کو متعارف کروانے والے امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ تھے۔ توحید اسماء وصفات کو متعارف کروانے والے امام مالک اور امام ابو حنیفہ رحمہما اللہ تھے کہ جس میں نکھار امام احمد بن حنبل اور امام بخاری رحمہما اللہ کی بحثوں نے پیدا کیا۔ امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ سے پہلے سلف صالحین میں سے جنہوں نے اللہ کے عرش پر مستوی ہونے کا اثبات کیا ہے، ان میں مجاہد (متوفی ۱۰۲ھ)، ابن سحاق (متوفی ۱۵۰ھ)، امام ابو حنیفہ (متوفی ۱۵۰ھ)، حماد بن زید (متوفی ۱۷۹ھ)، عبد اللہ بن مبارک (متوفی ۱۸۱ھ)، امام مالک (متوفی ۱۷۹ھ)، خالد بن سلیمان البلخی (متوفی ۱۹۹ھ)، امام شافعی (متوفی ۲۰۴ھ)، محمد بن یوسف الفریابی (متوفی ۲۱۲ھ)، ابن الاعرابی (متوفی ۲۳۱ھ)، قُتیبہ بن سعید (متوفی ۲۴۰ھ)، امام احمد (متوفی ۲۴۱ھ)، الحارث المحاسبی (متوفی ۲۴۳ھ)، ابن اصرم (متوفی ۲۵۳ھ)، ابو زرعہ الرازی (متوفی ۲۶۴ھ)، اسماعیل بن یحییٰ المزنی (متوفی ۲۶۴ھ)، ابوحاتم الرازی (متوفی ۲۷۷ھ)، حرب بن اسماعیل الکرمانی (متوفی ۲۸۰ھ)، عثمان الدارمی (متوفی ۲۸۰ھ)، ابن ابی شیبہ (متوفی ۲۹۷ھ)، عمرو بن عثمان المکی (متوفی ۲۹۷ھ)، بشر الزہرانی (متوفی ۲۰۹ھ)، اسحاق بن راہویہ (متوفی ۲۳۸ھ)، ابوالعباس ثعلب (متوفی ۲۹۱ھ)، ابن الاخرم (متوفی ۳۰۱ھ)، ابن جریر الطبری (متوفی ۳۱۰ھ)، ابن خزیمہ (متوفی ۳۱۱ھ)، الطبرانی (متوفی ۳۶۰ھ)، ابوبکر الآجری (متوفی ۳۶۰ھ)، ابوالشیخ الاصبہانی (متوفی ۳۶۹ھ)، ابوبکر اسماعیلی (متوفی ۳۷۱ھ)، ابن ابی زید القیروانی (متوفی ۳۸۶ھ)، ابن بطہ (متوفی ۳۸۷ھ)، الخطابی (متوفی ۳۸۸ھ)، ابن مندہ (متوفی ۳۹۵ھ)، ابن ابی زمنین (متوفی ۳۹۹ھ)، اللالکائی (متوفی ۴۱۸ھ)، ابونعیم الاصبہانی (متوفی ۴۳۰ھ)، ابوعمر والدانی (متوفی ۴۴۴ھ)، ابونصر السجزی (متوفی ۴۴۴ھ)، ابوعثمان الصابونی (متوفی ۴۴۹ھ)، ابن عبد البر (متوفی ۴۶۳ھ)، سعد الزنجانی (متوفی ۴۷۱ھ)، ابو اسماعیل الہروی (متوفی ۴۸۱ھ)، امام بغوی (متوفی ۵۱۰ھ)، ابن ابی یعلی (متوفی ۵۲۶ھ)، ابوالقاسم الاصبہانی (متوفی ۵۳۵ھ)، عبد القادر جیلانی (متوفی ۵۶۱ھ)، عبد الغنی المقدسی (متوفی ۶۰۰ھ)، ابن قدامہ المقدسی (متوفی ۶۲۰ھ)، ابن الصلاح (متوفی ۶۴۳ھ) وغیرہ شامل ہیں۔[۲۸]

امام بیہقی رحمہ اللہ (متوفی ۴۵۸ھ) اپنی سند سے نقل کرتے ہیں کہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے ایک شخص نے سوال کیا کہ اللہ عزوجل آسمان پر کیسے مستوی ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ اللہ کا عرش پر مستوی ہونا معلوم ہے اور اس کی کیفیت سمجھ سے بالاتر ہے اور اس پر ایمان واجب ہے اور اس کے بارے مزید سوال بدعت

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہے۔ امام بیہقی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ ہمارے اکثر علماء نے صفتِ استواء (عرش پر مستوی ہونا)' صفتِ اتیان (آنا)' صفتِ مجیء (آنا) اور صفتِ نزول (اترنا) وغیرہ میں اسی طرح کلام کیا ہے[۲۹]۔ ابوبکر الآجری رحمہ اللہ (متوفی ۳۶۰ھ) اپنی سند سے نقل کرتے ہیں کہ امام مالک بن انس رحمہ اللہ نے کہا کہ اللہ عزوجل آسمانوں میں ہیں اور ان کا علم ہر جگہ ہے اور ان کے علم سے کوئی جگہ خالی نہیں ہے۔[۳۰]

امام بخاری رحمہ اللہ (متوفی ۲۵۶ھ) نقل کرتے ہیں کہ حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ نے اللہ کے نبی ﷺ سے نقل کیا ہے کہ اللہ عزوجل آسمانوں پر عرش پر ہے اور آسمان' زمین کے اوپر قبے کی مانند ہیں۔ امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے حضرت حصین رضی اللہ عنہ سے پوچھا تھا کہ آپ کتنے معبودوں کی عبادت کرتے ہیں؟ تو انہوں نے جواب میں کہا تھا کہ سات کی کہ جن میں سے ایک آسمان میں ہے اور چھ زمین میں ہیں[۳۱]۔ امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا ہے کہ عرش پانی پر ہے اور اللہ عزوجل عرش پر ہے۔ امام لالکائی رحمہ اللہ (متوفی ۴۱۸ھ) اپنی سند سے حضرت اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا سے نقل کرتے ہیں کہ اللہ عزوجل کا عرش پر مستوی ہونا معلوم ہے اور اس کی کیفیت سمجھ سے بالاتر ہے اور اس پر ایمان لانا واجب ہے اور اس کا انکار کفر ہے۔[۳۲]

امام بخاری رحمہ اللہ نقل کرتے ہیں کہ امام وہب بن جریر رحمہ اللہ (متوفی ۲۰۶ھ) کا کہنا ہے کہ جہمیہ زنادقہ کا یہ دعویٰ ہے کہ اللہ عزوجل عرش پر نہیں ہے۔ امام دارمی رحمہ اللہ (متوفی ۲۸۰ھ) اپنی سند سے نقل کرتے ہیں کہ امام عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ (متوفی ۱۸۱ھ) کا کہنا ہے کہ ہم اللہ کے بارے میں وہ بات نہیں کہتے ہیں جو کہ جہمیہ کا قول ہے کہ اللہ عزوجل زمین میں ہے' بلکہ ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ اللہ عزوجل عرش پر مستوی ہے۔ جب عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ سے کہا گیا کہ آپ اپنے رب کا تعارف کیسے کروائیں گے؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ میرا رب وہ ہے جو آسمانوں پر عرش کے اوپر ہے[۳۳]۔ عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ نے کہا کہ ہم اس مسئلے میں یہود ونصاریٰ کا قول تو بیان کر سکتے ہیں لیکن جہمیہ کا نہیں۔ سعید بن عامر رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ جہمیہ کا موقف یہود ونصاریٰ سے بھی بدتر ہے کہ یہود ونصاریٰ اور تمام ادیان کا اس بات پر اجماع ہے کہ اللہ عزوجل عرش پر ہے لیکن جہمیہ یہ کہتے ہیں کہ وہ عرش پر نہیں ہے۔[۳۴]

امام لالکائی رحمہ اللہ اپنی سند سے نقل کرتے ہیں کہ تابعی ربیعہ الرائی (متوفی ۱۳۶ھ) سے اللہ عزوجل کے عرش پر مستوی ہونے کے بارے میں سوال ہوا تو انہوں نے کہا کہ اللہ عزوجل کا عرش پر مستوی ہونا معلوم ہے' اس کی کیفیت سمجھ سے بالاتر ہے' یہ اللہ عزوجل کی طرف سے پیغام ہے' رسول ﷺ کے ذمہ پہنچا دینا ہے' اور ہمارے اوپر ایمان واجب ہے[۳۵]۔ امام لالکائی رحمہ اللہ اپنی سند سے نقل کرتے ہیں کہ امامِ لغت ابن الاعرابی رحمہ اللہ (متوفی ۲۳۱ھ) کے پاس ایک شخص آیا اور پوچھا کہ اللہ عزوجل کے عرش پر مستوی ہونے کا کیا معنی ہے؟ تو انہوں نے کہا کہ اللہ عرش پر مستوی ہے جیسا کہ اللہ عزوجل نے خبر دی ہے۔ تو اُس شخص نے کہا کہ کیا اس کا معنی غلبہ پانا نہیں ہے؟ تو انہوں نے جواب میں کہا کہ خاموش ہو جاؤ۔ تم یہ معنی کہاں سے لے آئے ہو؟ کسی شئے پر غلبہ پالینا اس وقت مراد ہوتا ہے جبکہ کوئی فریق مخالف بھی موجود ہو۔ کیا تم نے نابغہ کا یہ شعر نہیں سنا:

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

أَلَا لِمِثْلِكَ أَوْ مَنْ أَنْتَ سَابِقُهُ   سَبْقَ الْجَوَادِ إِذَا اسْتَوْلَى عَلَى الْأَمَدِ [۳۶]

امام لالکائی رحمہ اللہ اپنی سند سے نقل کرتے ہیں کہ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ سے کہا گیا کہ اللہ عزوجل سات آسمانوں پر عرش کے اوپر ہے اور اپنی مخلوق سے جدا ہے اور اس کی قدرت اور علم ہر جگہ موجود ہے؟ تو انہوں نے جواب میں کہا کہ ہاں' ایسا ہی ہے کہ اللہ عزوجل عرش پر ہے اور اس کا علم ہر جگہ موجود ہے [۳۷]۔ امام بیہقی رحمہ اللہ (متوفی ۴۵۸ھ) اپنی سند سے نقل کرتے ہیں کہ امام اوزاعی' امام مالک' امام لیث بن سعد اور امام سفیان ثوری رحمہم اللہ سے استواء اور نزول کی احادیث کے بارے میں سوال ہوا تو انہوں نے کہا کہ یہ صفات جیسے نصوص میں آئی ہیں' اسی طرح ان کو جاری کرو [۳۸]۔ امام شافعی رحمہ اللہ اپنی سند سے نقل فرماتے ہیں کہ جمعہ کا دن وہ دن ہے کہ جس دن میں اللہ عزوجل عرش پر مستوی ہوئے [۳۹]۔ عبدالرحمٰن اپنے والد ابوحاتم رحمہما اللہ سے نقل کرتے ہیں کہ جہمیہ کی علامت یہ ہے کہ وہ اہلِ سنت کو مُشبّہ کہتے ہیں' اور قدریہ کی علامت یہ ہے کہ وہ اہلِ سنت کو جبریہ کہتے ہیں' اور مرجۃ کی علامت یہ ہے کہ وہ اہلِ سنت کو نقصانیہ کہتے ہیں' اور معتزلہ کی علامت یہ ہے کہ وہ اہلِ سنت کو حشویہ کہتے ہیں' اور روافض کی علامت یہ ہے کہ وہ اہلِ سنت کو نابتہ کہتے ہیں۔ [۴۰]

نعیم بن حماد رحمہ اللہ (متوفی ۲۲۸ھ) سے مروی ہے کہ ہر مؤمن پر یہ واجب ہے کہ اللہ عزوجل نے اپنے بارے میں جن صفات کو بیان کر دیا ہے تو انہیں اسی طرح نقل کرے اور اللہ کی ذات کے بارے میں غور وفکر نہ کرے کہ اللہ کے رسول ﷺ کا فرمان ہے کہ مخلوق میں غور وفکر کرو اور خالق میں غور وفکر نہ کرو [۴۱]۔ یہی کلام حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے نبی کریم ﷺ سے بھی نقل کیا ہے [۴۲]۔ اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا کہ شیطان تم میں سے کسی ایک کے پاس آ کر اسے یہ خیال ڈالتا ہے کہ فلاں کو کس نے پیدا کیا' فلاں کو کس نے پیدا کیا؟ یہاں تک کہ وہ اسے یہ کہتا ہے کہ تمہارے رب کو کس نے پیدا کیا ہے؟ پس جب تم میں سے کوئی شخص اس مقام پر پہنچ جائے تو اللہ عزوجل کی پناہ مانگے اور اس پر سوچنے سے باز رہے [۴۳]۔ پس اللہ عزوجل کی ذات کے بارے جو غور فلسفیوں اور وجودیوں نے پیدا کیا ہے' یہ اسی قبیل سے ہے کہ جس سے اللہ کے رسول ﷺ نے منع فرمایا تھا۔

امام ابن بطہ رحمہ اللہ (متوفی ۳۸۷ھ) جہمیہ سے مکالمہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

وَزَعَمَ الْجَهْمِيُّ أَنَّ اللَّهَ لَا يَخْلُو مِنْهُ مَكَانٌ، وَقَدْ أَكْذَبَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى، أَلَمْ تَسْمَعْ إِلٰى قَوْلِهِ: ﴿فَلَمَّا تَجَلّٰى رَبُّهٗ لِلْجَبَلِ جَعَلَهٗ دَكًّا﴾ (الاعراف:۱٤۳) فَيُقَالُ لِلْجَهْمِيِّ: أَرَأَيْتَ الْجَبَلَ حِينَ تَجَلّٰى لَهُ؟ وَكَيْفَ تَجَلّٰى لِلْجَبَلِ وَهُوَ فِي الْجَبَلِ؟ وَقَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: ﴿وَاَشْرَقَتِ الْاَرْضُ بِنُوْرِ رَبِّهَا﴾ (الزمر:٦٩) ' فَيُقَالُ لِلْجَهْمِيِّ: هَلِ اللّٰهُ نُورٌ؟ فَيَقُولُ: هُوَ نُورٌ كُلُّهُ، قِيلَ لَهُ: فَاللّٰهُ فِي كُلِّ مَكَانٍ؟ قَالَ: نَعَمْ، قُلْنَا: فَمَا بَالُ الْبَيْتِ الْمُظْلِمِ لَا يُضِيءُ مِنَ النُّورِ الَّذِي هُوَ فِيهِ، وَنَحْنُ نَرَى سِرَاجًا فِيهِ فَتِيلَةٌ يَدْخُلُ الْبَيْتَ الْمُظْلِمَ فَيُضِيءُ؟، فَمَا بَالُ الْمَوْضِعُ الْمُظْلِمُ يَحِلُّ اللّٰهُ تَعَالٰى فِيهِ بِزَعْمِكُمْ، فَلَا يُضِيءُ؟ فَعِنْدَهَا يَتَبَيَّنُ لَكَ كَذِبُ الْجَهْمِيِّ، وَعَظِيمُ فِرْيَتِهِ عَلَى

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

رَبِّهِ، وَيُقَالُ لِلْجَهْمِيِّ: أَلَيْسَ قَدْ كَانَ اللّٰهُ وَلَا خَلْقَ؟ فَيَقُولُ: نَعَمْ، فَيُقَالُ لَهُ: فَحِينَ خَلَقَ الْخَلْقَ أَيْنَ خَلَقَهُمْ وَقَدْ زَعَمْتَ أَنَّهُ لَا يَخْلُو مِنْهُ مَكَانٌ؟ أَخَلَقَهُمْ فِي نَفْسِهِ؟ أَوْ خَارِجًا مِنْ نَفْسِهِ؟ فَعِنْدَهَا يَتَبَيَّنُ لَكَ كُفْرُ الْجَهْمِيِّ، وَأَنَّهُ لَا حِيلَةَ لَهُ فِي الْجَوَابِ، لِأَنَّهُ إِنْ قَالَ: خَلَقَ الْخَلْقَ فِي نَفْسِهِ، كَفَرَ وَزَعَمَ أَنَّ اللّٰهَ خَلَقَ الْجِنَّ، وَالْإِنْسَ، وَالْأَبَالِسَةَ، وَالشَّيَاطِينَ، وَالْقِرَدَةَ وَالْخَنَازِيرَ، وَالْأَقْذَارَ وَالْأَنْتَانَ فِي نَفْسِهِ تَعَالَى اللّٰهُ عَنْ ذٰلِكَ عُلُوًّا كَبِيرًا، وَإِنْ زَعَمَ أَنَّهُ خَلَقَهُمْ خَارِجًا مِنْ نَفْسِهِ، فَقَدِ اعْتَرَفَ أَنَّ هَا هُنَا أَمْكِنَةً قَدْ خَلَتْ مِنْهُ لَكِنَّا نَقُولُ: إِنَّ رَبَّنَا تَعَالَى فِي أَرْفَعِ الْأَمَاكِنِ، وَأَعْلَى عِلِّيِّينَ، قَدِ اسْتَوَى عَلَى عَرْشِهِ فَوْقَ سَمَاوَاتِهِ، وَعِلْمُهُ مُحِيطٌ بِجَمِيعِ خَلْقِهِ، يَعْلَمُ مَا نَأَى كَمَا يَعْلَمُ مَا دَنَا، وَيَعْلَمُ مَا بَطَنَ كَمَا يَعْلَمُ مَا ظَهَرَ كَمَا وَصَفَ نَفْسَهُ تَعَالَى (٤٤)

''اور جہمیہ کا گمان یہ ہے کہ اللہ سے کوئی جگہ خالی نہیں ہے' حالانکہ اللہ عزوجل نے ان کے اس دعویٰ کو جھوٹا قرار دیا ہے' جیسا کہ قرآن مجید میں ہے کہ پس جب موسیٰ علیہ السلام کے رب نے پہاڑ پر تجلّی ڈالی تو اس کو ریزہ ریزہ کر دیا۔ پس جہمیہ سے یہ کہا جائے گا کہ تم ذرا اس میں غور کرو کہ پروردگار نے پہاڑ پر تجلّی فرمائی۔ تو جب پروردگار نے پہاڑ پر تجلّی فرمائی تو کیا پروردگار پہاڑ پر بھی تھا؟ اسی طرح پروردگار نے کہا ہے کہ زمین اپنے رب کے نور کے ساتھ روشن ہو جائے گی۔ پس جہمیہ سے یہ کہا جائے گا کہ کیا تمہارا رب نور ہے؟ تو وہ جواب میں کہے گا کہ وہ تو سراپا نور ہے۔ اب جہمی سے سوال کیا جائے گا کہ کیا پروردگار ہر جگہ ہے؟ تو وہ جواب دے گا کہ ہاں! اب اسے کہا جائے گا کہ پھر تاریک گھر پروردگار کے نور سے روشن کیوں نہیں ہو جاتا اور پروردگار وہاں موجود ہے جبکہ اس گھر کی تاریکی چراغ کی لو سے بھی دور ہو جاتی ہے۔ پس تمہاری کیا رائے ہے کہ تمہارا عقیدہ ہے کہ فلاں جگہ خدا موجود ہے اور پھر بھی وہاں روشنی نہیں ہے؟ پس اس طرح جہمیہ کے جھوٹ اور اللہ کی ذات پر بہتان کا پول کھل جاتا ہے۔ اسی طرح جہمی سے یہ کہا جائے گا کہ کیا ایسا نہیں ہے کہ اللہ موجود تھا اور مخلوق نہ تھی؟ تو وہ جواب میں کہے گا کہ ایسا ہی ہے۔ اب اسے کہا جائے گا کہ اللہ نے مخلوق کو پیدا کیا ہے تو تمہاری رائے میں کہاں پیدا کیا ہے کیونکہ تم تو یہ کہتے ہو کہ کوئی جگہ اللہ کے وجود سے خالی نہیں ہے؟ کیا اللہ نے اپنی ذات میں ہی مخلوق کو پیدا کیا ہے یا اپنی ذات سے باہر پیدا کیا ہے؟ پس اس طرح جہمی کا کفر واضح ہو جاتا ہے اور ان کے پاس ان سوالوں کا کوئی جواب نہیں ہے' کیونکہ اگر وہ یہ جواب دے کہ اللہ عزوجل نے اپنی ذات میں مخلوق کو پیدا کیا ہے تو اس کا مطلب ہے کہ جنات' انسان' ابلیس' شیاطین' بندر' خنزیر' نجاست اور گندگی کی ہر قسم' اللہ کے وجود کا جزء ہے' اور اللہ کی ذات اس سے بہت بلند ہے۔ اور اگر وہ یہ گمان رکھے کہ اللہ عزوجل نے مخلوق کو اپنی ذات سے باہر پیدا کیا ہے تو جہمی کے نزدیک بھی کچھ مقامات ایسے ہیں کہ جہاں خدا کا وجود نہیں ہے' بلکہ ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ اللہ عزوجل بلند ترین جگہ اور اعلیٰ ترین مقام پر ہے۔ وہ آسمانوں کے اوپر عرش پر مستوی ہے جبکہ اس کا علم تمام مخلوق کو محیط ہے۔ جو اس سے دور ہے' وہ اس کو بھی جانتا ہے اور جو قریب ہے' اس کو بھی جانتا ہے۔ جو پوشیدہ ہے' وہ بھی اس کے علم میں ہے اور جو ظاہر ہے' وہ بھی اس کے علم میں ہے' جیسا کہ اللہ عزوجل نے اپنے آپ کو

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

موصوف قرار دیا ہے۔''

واضح رہے کہ صفت نزول میں عرش خالی نہیں ہوتا کہ یہ صفت علو کے منافی ہے۔ پس اللہ عزوجل عرش پر ہوتے ہوئے اپنی مخلوق کے ساتھ اور قریب ہوتے ہیں کما یلیق بجلالہ۔صفت استواء صفاتِ فعلیہ اختیاریہ میں سے بھی ہے اور صفاتِ ذاتیہ میں سے بھی ہے۔ صفاتِ فعلیہ میں سے اس لیے کہ اللہ عزوجل پہلے عرش پر مستوی نہ تھے' بعد میں ہوئے۔ اور صفاتِ ذاتیہ میں سے اس لیے کہ اب یہ ایسی صفت ہے کہ ایک بار مستوی ہونے کے بعد اللہ کی ذات سے جدا نہیں ہوتی ہے۔ واللہ اعلم!

(د) **فطرتِ انسانی اور عقلِ عام کا بیان:** تمام آسمانی کتاب' سلف صالحین کی طرح فطرتِ سلیمہ اور عقلِ صحیح کا فیصلہ بھی یہی ہے کہ اللہ کی ذات کے لیے جہتِ علو کا اثبات کرے۔ اللہ کے آسمانوں پر ہونے کے فطرتِ انسانی میں ہونے کی دلیل یہ بھی ہے کہ انسان جب بھی دعا کرتا ہے تو آسمان کی طرف ہاتھ اٹھاتا ہے یا چہرہ پھیرتا ہے۔

امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

قَاعِدَةٌ عَظِيمَةٌ فِي إِثْبَاتِ عُلُوِّهِ تَعَالَى: وَهُوَ وَاجِبٌ بِالْعَقْلِ الصَّرِيحِ وَالْفِطْرَةِ الْإِنْسَانِيَّةِ الصَّحِيحَةِ۔ وَهُوَ أَنْ يُقَالَ : كَانَ اللّٰهُ وَلَا شَيْءَ مَعَهُ ثُمَّ خَلَقَ الْعَالَمَ، فَلَا يَخْلُو إِمَّا أَنْ يَكُونَ خَلْقُهُ فِي نَفْسِهِ وَانْفَصَلَ عَنْهُ وَهٰذَا مُحَالٌ: تَعَالَى اللّٰهُ عَنْ مُمَاسَّةِ الْأَقْذَارِ وَغَيْرِهَا وَإِمَّا أَنْ يَكُونَ خَلْقُهُ خَارِجًا عَنْهُ ثُمَّ دَخَلَ فِيهِ وَهٰذَا مُحَالٌ أَيْضًا تَعَالَى أَنْ يَحِلَّ فِي خَلْقِهِ ۔ وَهَاتَانِ لَا نِزَاعَ فِيهِمَا بَيْنَ أَحَدٍ مِنَ الْمُسْلِمِينَ ۔وَإِمَّا أَنْ يَكُونَ خَلْقُهُ خَارِجًا عَنْ نَفْسِهِ الْكَرِيمَةِ وَلَمْ يَحِلَّ فِيهِ فَهٰذَا هُوَ الْحَقُّ الَّذِي لَا يَجُوزُ غَيْرُهُ وَلَا يَلِيقُ بِاللّٰهِ إِلَّا هُوَ۔ وَهٰذِهِ الْقَاعِدَةُ لِلْإِمَامِ أَحْمَدَ مِنْ حُجَجِهِ عَلَى الْجَهْمِيَّةِ فِي زَمَنِ الْمِحْنَةِ۔ وَذَكَرَ الْأَشْعَرِيُّ "الْمَقَالَاتِ" مَقَالَةَ مُحَمَّدِ بْنِ كُلَّابِ الَّذِي ائْتَمَّ بِهِ الْأَشْعَرِيُّ: أَنَّهُ يُعْرَفُ بِالْعَقْلِ أَنَّ اللّٰهَ فَوْقَ الْعَالَمِ وَالِاسْتِوَاءَ بِالسَّمْعِ وَبِأَخْبَارِ الرُّسُلِ الَّذِينَ بُعِثُوا بِتَكْمِيلِ الْفِطَرِ وَلَا تَبْدِيلَ لِفِطْرَةِ اللّٰهِ وَجَاءَتِ الشَّرِيعَةُ بِهَا خِلَافًا لِأَهْلِ الضَّلَالِ مِنَ الْفَلَاسِفَةِ وَغَيْرِهِمْ فَإِنَّهُمْ قَلَبُوا الْحَقَائِقَ ۔ اھ ۔ (۴۵)

''اللہ تعالیٰ کی ذات کے لیے صفت علو کا اثبات عقل صریح اور فطرتِ صحیحہ سے بھی ثابت اور واجب ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ اللہ عزوجل تھے اور مخلوق نہ تھی یہاں تک کہ اللہ عزوجل نے مخلوق کو پیدا کیا۔ پس اب یا تو مخلوق کو اپنی ذات میں پیدا کیا اور پھر اسے اپنے سے جدا کیا تو یہ محال ہے کہ اللہ عزوجل نجاست اور گندگیوں سے پاک ہے۔ یا پھر اللہ عزوجل نے مخلوق کو اپنی ذات سے خارج میں پیدا کیا اور پھر اس میں داخل ہو گیا تو یہ بھی محال ہے کہ اللہ عزوجل اپنی مخلوق میں اترے۔ اور ان دونوں باتوں میں مسلمانوں کا کوئی اختلاف نہیں ہے۔ اب تیسری صورت یہی باقی رہ جاتی ہے کہ اللہ عزوجل نے مخلوق کو اپنے سے خارج میں پیدا کیا اور اس میں نزول نہیں فرمایا اور یہی بات حق ہے اور اللہ عزوجل کے لائق ہے (اور اسی سے صفت علو ثابت ہو جاتی ہے)۔ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے آزمائش کے زمانے میں جہمیہ کا ردّ اسی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دلیل سے کیا تھا۔ اور امام ابوالحسن الاشعری رحمہ اللہ نے اپنی کتاب 'مقالات الاسلامیین' میں محمد بن کلاب موقف قول کا نہ صرف ذکر کیا ہے بلکہ اسے مکمل کرتے ہوئے کہا ہے کہ اللہ عزوجل کی ذات زمین سے اوپر ہے اور اللہ عزوجل کا عرش پر مستوی ہونا' اُس نقل اور نبیوں کی خبر سے معلوم ہے کہ جو فطرتِ انسانی کی تکمیل کے لیے آئی ہے۔ اور اللہ کی فطرت کبھی تبدیل نہیں ہوتی اور اسی فطرت کے مطابق شریعت نازل ہوئی ہے' لیکن گمراہ کرنے والے فلسفیوں نے حقائق کو مسخ کر دیا ہے۔''

امام غزالی رحمہ اللہ (متوفی ۵۰۵ھ) کا کہنا ہے کہ اللہ عزوجل کو عرش پر مستوی مان لینے سے یہ لازم آئے گا کہ اللہ کا وجود' عرش کے برابر ہے یا اس سے چھوٹا ہے یا اس سے بڑا ہے' اور تینوں صورتوں میں اللہ کے وجود کے بارے اندازہ لازم آئے گا' لہٰذا استویٰ سے مراد استیلاء یعنی غلبہ ہے(۴۶)۔ لیکن یہ اعتراض درست نہیں' اس لیے کہ سلف صالحین عرش کے اوپر ہونے کے قائل ہیں نہ کہ عرش میں ہونے کے' یعنی فوقیت کے قائل ہیں۔

(۷) عرش کہاں ہے؟

اللہ عزوجل عرش پر ہے تو عرش کہاں ہے؟ کتاب وسنت' صحابہ وتابعین اور سلف صالحین کے موقف کے مطابق عرش سات آسمانوں کے اوپر ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ کیا تم اس سے نڈر ہو گئے ہو کہ جو آسمانوں پر ہے وہ تمہیں زمین میں دھنسا دے یا تم پر پتھروں کی بارش بھیجے(۴۷)۔ امام المفسرین حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ (متوفی ۶۸ھ) سے مروی ہے کہ اس سے مراد اللہ کی ذات ہے(۴۸)۔ معروف تابعی مجاہد رحمہ اللہ (متوفی ۱۰۴ھ) سے بھی مروی ہے کہ اس سے مراد اللہ کی ذات ہے(۴۹)۔ امام ابن جریر طبری رحمہ اللہ (متوفی ۳۱۰ھ) فرماتے ہیں کہ اس سے مراد اللہ کی ذات ہے(۵۰)۔ علامہ آلوسی (متوفی ۱۲۷۰ھ) اور علامہ مصطفیٰ المراغی (متوفی ۱۳۷۱ھ) کی بھی یہی رائے ہے کہ اس سے مراد اللہ کی ذات ہے(۵۱)۔ اسی طرح قرآن مجید میں ہے کہ فرعون نے اپنے وزیر ہامان کو ایک بہت اونچا محل تعمیر کرنے کا حکم دیا تھا تاکہ وہ اس پر چڑھ کر آسمانوں میں جھانکے اور اپنی قوم کے لوگوں کے سامنے یہ ثابت کر سکے کہ موسیٰ علیہ السلام اپنے اس بیان میں جھوٹے ہیں کہ ان کا رب آسمانوں پر ہے۔(۵۲)

ایک روایت کے الفاظ ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((اِنَّ اللّٰہَ فَوْقَ عَرْشِہٖ ، وَعَرْشُہٗ فَوْقَ سَمَاوَاتِہٖ)) (۵۳)

''اللہ عزوجل عرش پر ہے' اور عرش سات آسمانوں پر ہے۔''

ایک اور روایت کے الفاظ ہیں کہ تم اس پر رحم کرو جو زمین میں ہے تو وہ تم پر رحم کرے گا کہ جو آسمانوں پر ہے(۵۴)۔ ایک اور روایت کے الفاظ ہیں کہ جب کوئی مرد اپنی عورت کو بستر کی طرف بلائے اور وہ اس سے انکار کرے تو وہ ذات جو آسمانوں پر ہے' اُس عورت سے ناراض ہو جاتی ہے یہاں تک کہ اس کا شوہر اس بارے میں اس سے راضی ہو جائے(۵۵)۔ اسی طرح حضرت عمر بن حکم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ان کی ایک لونڈی تھی جو کہ بکریاں چراتی تھی اور ایک دن ایک بکری کو بھیڑیا کھا گیا' جس پر انہوں نے اسے ایک تھپڑ مار دیا اور پھر اللہ کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

رسول ﷺ کے پاس آئے کہ مجھ پر ایک لونڈی کو آزاد کرنے کا کفارہ باقی تھا' کیا میں اس لونڈی کو آزاد کر دوں تو کفارہ ادا ہو جائے گا؟ اللہ کے رسول ﷺ نے اس لونڈی سے کہا کہ اللہ کہاں ہے؟ تو اُس نے جواب میں کہا کہ آسمان پر ہے۔ آپ ﷺ نے پوچھا کہ میں کون ہوں؟ تو اس نے کہا کہ آپ اللہ کے رسول ﷺ ہیں۔ تو آپ ﷺ نے کہا کہ اسے آزاد کر دو (۵۶)۔ ایک اور روایت کے الفاظ ہیں کہ جب صالح آدمی کی روح فرشتے نکالتے ہیں تو اسے خوشخبری دیتے ہوئے آسمان کی طرف چڑھ جاتے ہیں۔ اس کے لیے آسمان کے دروازے کھولے جاتے ہیں اور اسے خوش آمدید کہا جاتا ہے اور خوشخبری دی جاتی ہے' یہاں تک کہ وہ اس آسمان تک پہنچ جاتی ہے کہ جس پر اللہ عزوجل ہیں (۵۷)۔ ایک اور روایت کے الفاظ ہیں کہ اللہ عزوجل جب کسی کام کا فیصلہ کرتے ہیں تو عرش کو اٹھانے والے فرشتے اللہ کی تسبیح بیان کرتے ہیں۔ اور اس کے بعد آسمان والے فرشتے جو ان سے نیچے ہیں' اللہ عزوجل کی تسبیح بیان کرتے ہیں یہاں تک کہ یہ تسبیح نیچے آسمانِ دنیا تک پہنچ جاتی ہے (۵۸)۔ تو ان روایات سے معلوم ہوا کہ عرش' سات آسمانوں کے اوپر ہے اور آسمان' عرش سے نیچے ہیں۔

(۸) آسمان کہاں ہے؟

اللہ تعالیٰ عرش کے اوپر ہے اور عرش' سات آسمانوں سے اوپر ہے اور آسمان' زمین کے اوپر ہے اور آسمان' زمین کے اوپر ایک گنبد کی مانند ہے۔ اللہ عزوجل کے لیے جہتِ علو کتاب وسنت اور سلف صالحین سے ثابت ہے اور جہت علو سے مراد مطلق فوقیت ہے کہ اللہ عزوجل مخلوق کے نیچے نہیں ہے اور نہ ہی ہو سکتا ہے۔ اگر تو جہت سے مراد یہ لیا جائے کہ اس کی ذات' جہاتِ ستّہ (six dimensions) میں سے ایک خاص جہت میں اس طرح محصور ہے کہ اس جہت نے اس کا احاطہ کیا ہوا ہے تو یہ درست نہیں ہے اور نہ ہی یہ سلف صالحین کا موقف ہے۔

قرآن مجید میں ہے کہ اللہ عزوجل ہی کی طرف پاکیزہ کلمات چڑھتے ہیں (۵۹)۔ یہاں نزول کا لفظ استعمال نہیں کیا گیا کہ وہ اللہ ہی کی طرف نازل ہوتے ہیں بلکہ صعود کا لفظ استعمال ہوا ہے جو کہ نیچے سے اوپر جانے کے لیے ہے۔ اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں کہا گیا کہ اللہ عزوجل نے انہیں اپنی طرف اٹھا لیا (۶۰)۔ یہاں رفعت کا لفظ استعمال ہوا ہے جو کہ اوپر اور بلندی کے معنی میں ہے۔ اسی طرح فرشتوں کے بارے میں فرمایا کہ وہ اپنے رب سے ڈرتے رہتے ہیں جو کہ ان کے اوپر ہے (۶۱) یعنی فوقیت کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ ایک اور جگہ ارشاد فرمایا کہ فرشتے اور روح الامین اللہ عزوجل کی طرف چڑھتے ہیں (۶۲) اور یہاں بھی رفعت کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ اس کے علاوہ اور بہت سے مقامات پر قرآن مجید میں اللہ عزوجل کے لیے صفت علو کو ثابت کیا گیا ہے۔

اگر اللہ عزوجل کے لیے جہت علو کا اثبات نہ کیا جائے تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ جب معراج کی رات اللہ عزوجل سے ملاقات کے لیے تشریف لے گئے تو کہاں گئے تھے؟ کسی جہت میں سفر کیا تھا یا ہر طرف گئے تھے؟ بلاشبہ آپ ﷺ کا معراج کی رات آسمانوں کا سفر جہت علو میں ہی تھا۔ اور یہی وہ جہت علو ہے کہ جس کی طرف حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو زمین سے زندہ اٹھا لیا گیا۔ اور یہی وہ جہت ہے کہ جس کی طرف صالح

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اعمال‘ صالح ارواح اور نیک فرشتے چڑھتے ہیں۔ اور یہی وہ جہت ہے کہ جس سے فرشتے زمین پر اترتے ہیں۔ اور یہی وہ جہت ہے جس کی طرف سرکش شیاطین راستہ اختیار کرتے ہیں کہ آسمانِ دنیا کے فرشتوں کی آپس کی باتوں کی سن گن لے سکیں۔ اور یہی وہ جہت ہے کہ جس میں پہلے آسمان پر حضرت آدمؑ‘ دوسرے پر حضرت عیسیٰ اور یحییٰ‘ تیسرے پر حضرت یوسفؑ‘ چوتھے پر حضرت ادریسؑ‘ پانچویں پر حضرت ہارونؑ‘ چھٹے پر حضرت موسیٰ اور ساتویں پر حضرت ابراہیم علیہم الصلوٰۃ والسلام کی ارواح سے آپ ﷺ کی معراج کی رات ملاقات ہوئی‘ وغیر ذٰلک کثیر۔

(۹) صفتِ علو اور سائنسی اعتراضات

مولانا حنیف ندوی رحمہ اللہ کا کہنا ہے کہ گلیلیو‘ نیوٹن اور کاپرنیکس کی تحقیقات سے یہ متعین ہو گیا کہ جہتِ علو اضافی شئے (relative term) ہے لہٰذا عرش کا جہتِ علو میں ہونا کوئی معنی نہیں رکھتا ہے اور عرش کی جہتِ علو مختلف لوگوں کے اعتبار سے تبدیل ہوتی رہتی ہے (۶۳)۔ اس اعتراض کی تفصیل یہ ہے کہ لاہور اور نیویارک والوں کی جہتِ علو میں فرق ہے‘ لہٰذا کس کا جہتِ علو مراد ہے کہ جس میں عرش موجود ہے؟ ہماری رائے میں یہ سائنس کے ادھورے علم کے استعمال کے ساتھ ایک ناقص اعتراض ہے جو اس مسئلے پر وارد کیا گیا ہے۔ اللہ عزوجل نے قرآن مجید میں واضح طور بیان فرمایا ہے کہ آسمان جہتِ علو میں ہے:

﴿اَفَلَمْ يَنْظُرُوْٓا اِلَى السَّمَآءِ فَوْقَهُمْ كَيْفَ بَنَيْنٰهَا وَزَيَّنّٰهَا وَمَا لَهَا مِنْ فُرُوْجٍ ۝۶﴾ (قٓ)

’’تو کیا وہ آسمان پر غور نہیں کرتے کہ جو ان کے اوپر ہے کہ ہم نے اسے کیسے بنایا ہے اور کیسے مزین کیا ہے اور اس میں کوئی شگاف نہیں ہے!‘‘

اب اس پر اعتراض یہ ہے کہ ایک پاکستانی کے لیے جہت علو اس کے سر کی سیدھ میں ۹۰ ڈگری کا خط کھینچنے سے طے ہو گی اور ایک امریکی کے لیے جہت علو اس کے سر کی سیدھ میں ۹۰ ڈگری کا خط کھینچنے سے طے ہو گی‘ اور یہ دونوں خطوط ایک ہی رخ میں نہیں ہیں‘ لہٰذا ہر انسان کے سر سے ۹۰ ڈگری کی سیدھ میں اگر خط کھینچ کر جہت علو کو متعین کیا جائے تو ہر انسان کے لیے صفت علو کی جہت مختلف ہو گی‘ لہٰذا جہت علو ثابت نہیں ہو سکتی۔

ہماری نظر میں یہ اعتراض عقل و نقل دونوں کے خلاف ہے۔ یا تو اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ عزوجل ۳۶۰ ڈگری میں ہر طرف آباد دنیا کے جہت علو میں موجود ہے کہ جسے کہتے ہیں کہ اس نے اپنی مخلوق کا چاروں طرف سے احاطہ کیا ہوا ہے کہ اس کے اسماء میں سے ایک اسم ’’محیط‘‘ بھی ہے۔ یہ جواب تو اس صورت میں ہے جبکہ صفتِ علو کو مطلق مانا جائے کہ آسمان اور عرش ایک گنبد کی مانند ہے جیسا کہ بعض روایات میں منقول ہے۔ اور اگر صفتِ علو کو اضافی (relative) مانا جائے تو اس صورت میں سوال یہ ہے کہ جہتِ علو میں انسان کا اعتبار ہے یا مقام کا؟ اللہ کے رسول ﷺ کو جب معراج ہوئی تو آپ کو مسجد اقصیٰ سے اوپر بلندی کی طرف لے جایا گیا‘ جیسا کہ حدیث کے الفاظ ’’ثُمَّ عرج بي إلى السماء‘‘ سے واضح ہے۔ اور قُبة الصخرة سے جہتِ علو میں سفر کے بعد آپ سات آسمانوں پر اللہ عزوجل سے ملاقات کے لیے تشریف لے گئے۔ اب مسجد اقصیٰ کی جہتِ علو کیا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہے؟ کیا یہ وہی ہے جو آسٹریلیا‘ انٹارکٹکا‘ افریقہ‘ امریکہ وغیرہ کی ہے؟

اسی طرح آپ نے معراج کے سفر میں ساتوں آسمانوں پر انبیاء کرام سے ملاقاتیں کیں۔ پہلے آسمان پر حضرت جبرائیل علیہ السلام نے دروازہ کھٹکھٹایا تو حضرت آدم علیہ السلام نے دروازہ کھولا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مرحبا کہا۔ اب حضرت آدم علیہ السلام کیا زمین کے ہر نقطے کی جہت علو میں ہیں؟ اور پہلے آسمان کا دروازہ بھی کیا زمین کے ہر نقطے کی جہت علو میں ہے؟ اسی طرح بقیہ آسمانوں میں انبیاء سے ملاقاتوں کا معاملہ بھی ہے۔ کیا یہ انبیاء مسجد اقصیٰ کی نسبت سے خاص جہتِ علو میں تھے یا زمین کے ہر نقطہ کی جہتِ علو میں تھے؟

اسی معراج کی رات آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب پچاس نمازیں دی گئیں تو حدیث کے مطابق اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ سبحانہ وتعالیٰ اور موسیٰ علیہ السلام کے مابین کئی چکر لگائے۔ اس میں ایک جگہ حدیث کے الفاظ ’’فنزلتُ حتی انتهيتُ إلى موسٰى‘‘ ہیں‘ یعنی میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے پاس سے نیچے اُترا اور موسیٰ علیہ السلام کے پاس پہنچا۔ اب اللہ سبحانہ وتعالیٰ بھی ۳۶۰ ڈگری میں موجود ہوں؟ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام ایک خاص سمت میں ہیں تو چھٹا آسمان بھی خاص سمت میں ہے۔ اور وہ سمت‘ صفتِ علو ہے کہ جس میں اللہ کی ذات ہے۔ اور صفتِ علو کا تعین بیت اللہ کے اعتبار سے ہے۔

اسی طرح قرآن مجید کے بیان کے مطابق آپ صلی اللہ علیہ وسلم سدرۃ المنتہیٰ پر تشریف لے گئے اور اس کا ایک مقام ہونا واضح ہے جو جہت علو میں ہے اور وہاں آپ نے اللہ سے مکالمہ کیا اور مفسرین کی ایک جماعت کے مطابق تو سورۃ النجم میں ﴿قَابَ قَوْسَيْنِ﴾ (دو قوسین) کے فاصلے کا جو ذکر ہے‘ تو اس سے مراد بھی اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہیں؟ کیا اس سب سے تجسیم اور مکان کا طعن لازم نہیں آتا؟ بات یہ ہے کہ ہم تجسیم اور مکان کا انکار کر سکتے ہیں کہ تجسیم اور مکان کتاب وسنت سے ثابت نہیں ہیں‘ لیکن ان کے طعن سے کسی صورت بچ نہیں سکتے‘ یہاں تک کہ خدا کے وجود کا ہی انکار کر دیں۔ اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سفر معراج میں ’البیت المعمور‘ یعنی فرشتوں کے قبلہ کا ملاحظہ کیا۔ اور یہ البیت المعمور‘ ہمارے خانہ کعبہ کی جہتِ علو میں ہے‘ جیسا کہ روایات سے ثابت ہے (۲۴)۔ تو جہتِ علو سے مراد خانہ کعبہ کی جہتِ علو ہے نہ کہ زمین میں بسنے والے ہر انسان کی جہت علو۔ پس شریعت میں جس صفتِ علو کا اثبات کیا گیا ہے‘ وہ ہر انسان کی نسبت سے نہیں ہے بلکہ شریعت اسلامیہ کے دو مقدس ترین مقامات قبلہ اول اور قبلہ ثانی یعنی مسجد اقصیٰ اور مسجد حرام کی نسبت سے ہے۔ ان مقامات کے اعتبار سے جو جہتِ علو ہے‘ اس جہت میں آسمانوں اور عرش کا اثبات کیا گیا ہے کہ جو ایک گنبد کی مانند آباد دنیا کو محیط ہے۔ اب اس پر یہ اعتراض کہ مسجد حرام اور مسجد اقصیٰ کی جہت علو میں بھی تو فرق ہوگا‘ لغو ہے۔ ہمارے مشاہدے میں ہے کہ قبلہ رخ ہونے کی صورت میں نصف ڈگری کا فرق بھی آپ کو کہاں لے جائے گا؟ اور اتنا فرق تو ہر نمازی کو لگ ہی جاتا ہے۔ کسی سمت سے مراد ریاضی کی زبان میں ۹۰ ڈگری کی سیدھی لائن نہیں ہوتی۔ جب آپ مشرق کہتے ہیں تو مشرق آپ کی ناک کی سیدھ میں سیدھی لائن کا نام نہیں ہے۔ جب آپ مغرب کہتے ہیں تو مغرب کسی نقطے کا نام نہیں ہے بلکہ ایک سمت کا نام ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

علاوہ ازیں یہ کہنا بھی درست نہیں ہے کہ امریکہ یا نیویارک ہمارے نیچے ہے۔ ہم جانتے ہیں کہ زمین سورج کے گرد ایک خاص زاویہ ۲۳.۴ڈگری کا جھکاؤ (tilt) بناتی ہے۔ اب اس جھکاؤ کے ساتھ اگر آپ زمین کو ۳۶۰ ڈگری میں اس کے محور (axis) اور سورج کے گرد گھما کر دیکھیں تو سوائے براعظم انٹارکٹکا کے کوئی آباد دنیا آپ کو اپنے پاؤں کے نیچے نظر نہیں آئے گی۔ اگرچہ قرآن مجید کی آیت کی تفہیم کی غرض سے تو اُس وقت کی آباد دنیا کو لینا چاہیے کہ جن کی طرف قرآن مجید نازل ہو رہا تھا کیونکہ اولین مخاطب وہی تھے' اور اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ قرآن کے نزول کے وقت کی آباد دنیا زمین کے اسی حصے پر تھی جس پر ہم ہیں یعنی خطِ استواء سے اُوپر اُوپر۔ اور اگر معاصر دنیا کو بھی لیں تو اس وقت بھی آباد دنیا ہمارے پاؤں کے نیچے نہیں ہے۔ اس میں کچھ حصہ جیسا کہ آسٹریلیا' جنوبی افریقہ اور جنوبی امریکہ کا کچھ خطہ' خط استواء سے نیچے ہے' لیکن عجیب بات یہ ہے کہ زمین کی دن رات کی اپنے محور کے گرد گردش کی وجہ سے یہ حصے بھی زمین کے جھکاؤ کی وجہ سے کافی اوپر اُٹھ جاتے ہیں۔

اور یہ بھی کہ سائنس میں بھی آپ کو سمجھنے کے لیے کوئی نہ کوئی پوزیشن لینی ہی پڑتی ہے' اس کے بغیر کچھ سمجھ نہ آئے گا۔ اب زمین کا اوپر والا قطب' شمالی کیوں ہے' جنوبی کیوں نہیں؟ خط استواء کا اوپر والا اوپر کیوں ہے' نیچے کیوں نہیں؟ کیا خلاء میں جا کر یہ کہنا ممکن نہیں رہتا کہ فلاں ستارہ ہماری زمین سے اوپر ہے یا نیچے؟ وغیرہ ذٰلک۔ اور جہاں تک زمین کی دن رات کی گردش کا شبہ ہے کہ اس صورت میں جہت علو کیسے طے ہو گی؟ تو اس زمین کی ہماری کائنات کے مقابلے میں' اور ہماری کائنات کی آسمانوں کے مقابلے میں' اور آسمانوں کی عرش کے مقابلے میں جو حیثیت ہے تو اس اعتبار سے یہ اعتراض بالکل ختم ہو جاتا ہے کہ زمین ایک نقطہ تو کجا نہ ہونے کے برابر ہے۔

(۱۰) اللہ عزوجل کے وجود کا ہر جگہ ہونا

اگر یہ عقیدہ ہو کہ اللہ عزوجل کا وجود ہر جگہ موجود ہے تو یہ صریح شرک ہے' کیونکہ اللہ عزوجل ہر جگہ موجود ہے' کا لازمی تقاضا ہے کہ اللہ تعالیٰ وہاں بھی موجود ہے جہاں میں ہوں یا آپ ہیں یا کوئی اور شئے ہے۔ پس اللہ عزوجل کا وجود ہر شئے کو اپنی ذات کے اعتبار سے شامل ہے اور ہر شئے اللہ کے وجود میں شامل ہے۔ دراصل یہ جہمیہ اور باطنیہ کی پھیلائی ہوئی غلط فہمی ہے کہ اللہ عزوجل کا وجود ہر جگہ موجود ہے اور اس نقطہ نظر کی بنیاد یہ عقلی اصول ہے کہ اللہ کی ذات لامحدود ہے اور جب آپ اللہ کی ذات کو آسمانوں میں یا عرش پر قید کر دیتے ہیں تو وہ محدود ہو جاتی ہے جس سے اللہ کی ذات میں نقص اور عیب لازم آتا ہے۔

اس عقلی اصول کی بنیاد ہی غلط ہے۔ اگر تو اللہ کے وجود کے بارے میں یہ کہیں کہ وہ لامحدود ہے اور ہر جگہ موجود ہے تو وہاں بھی اللہ کا وجود ہے' جہاں میرا وجود ہے۔ گویا ایک مقام ایسا ہے جہاں میرا اور اللہ کا وجود ایک ہی وجود ہے اور یہ بدترین شرک ہے کہ اسی کا نام اتحاد ہے یعنی خالق اور مخلوق کو ایک کر دینا۔ اور اگر یہ کہا جائے کہ اللہ کا وجود وہاں نہیں ہے جہاں میرا وجود ہے تو آپ نے اللہ کے وجود کے لیے مکان مان لیا ہے' لہٰذا اللہ عزوجل کو عرش پر ماننے پر یہ اعتراض کرنا کہ اس کا مکان تسلیم کر لیا گیا ہے' ایک لغو اعتراض ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور صحیح رویہ تو یہ ہے کہ سلف صالحین اس قسم کی عقلی اور کلامی بحثوں میں پڑتے ہی نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ امام مالک رحمہ اللہ نے اللہ عزوجل کے عرش پر مستوی ہونے کے فوراً بعد کہا تھا کہ اس کی کھود کرید کرنا اور اس پر مزید سوالات پیدا کرنا اہلِ بدعت کا طریقہ ہے کیونکہ سوال تو ہر صورت باقی رہتا ہے۔ آپ تجسیم کے طعن سے بچنے کے لیے اگر جمیع صفات باری تعالیٰ کا رد کر دیں اور صرف اتنی بات مان لیں کہ کوئی صانع اور خالق ہستی اور ذات ہے تو عقل تو ذات کے لفظ ہی سے آپ کو تجسیم کی طرف لے جاتی ہے الا یہ کہ آپ اس خالق اور صانع کی حیثیت کسی واقعے کی علت سے زائد ماننے کو تیار نہ ہوں' جیسا کہ بعض فلسفیوں کا قول ہے۔

اسی طرح اللہ عزوجل عرش پر ہوتے ہوئے ہر جگہ ہمارے ساتھ ہے' تو یہ کہنا درست ہے اور کتاب وسنت سے ثابت ہے۔ وجود اور معیت میں فرق ہے اور اللہ عزوجل کا جس طرح عرش پر ہونا حقیقت ہے' اسی طرح اللہ عزوجل کی معیت بھی حقیقی ہے۔ اللہ کی صفت معیت کا حقیقی معنی مراد لینے سے اللہ کی ذات کا مخلوق سے اختلاط لازم نہیں آتا' جیسا کہ چاند مخلوق کے ساتھ مختلط نہیں ہے کہ آسمان میں ہے' لیکن ہم اس چاند کے لیے معیت کا لفظ حقیقت کے اعتبار سے استعمال کر سکتے ہیں کہ چاند میرے ساتھ ہے۔ اسی طرح اللہ کی ذات عرش پر مستوی ہوتے ہوئے' اور مخلوق سے مختلط نہ ہوتے ہوئے' حقیقی معنوں میں مخلوق کے ساتھ ہے' جیسا کہ امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کا بیان ہے کہ معیت کو حقیقت پر محمول کیا جائے گا۔ اس بارے میں شیخ صالح العثیمین رحمہ اللہ (متوفی ۱۴۲۱ھ) کی شرح عقیدہ واسطیہ میں کی گئی بحث دیکھنے کے لائق ہے۔ (۶۵)

جب ایک دفعہ یہ اصول طے ہو گیا کہ صفات میں حقیقی معنی کا اعتبار ہو گا اور اس کی تاویل نہ ہو گی تو پھر صفتِ معیت میں اس اصول کو توڑ دینا تاویل کا رستہ کھولنے کے مترادف ہے۔ اسی طرح صفت معیت کا ایسا حقیقی معنی ممکن ہے جس سے صفتِ فوقیت اور صفتِ استواء علی العرش کے ساتھ تطبیق ممکن ہو سکے' لہٰذا جہاں حقیقت اور مجاز دونوں معانی مراد لیے جا سکتے ہوں تو وہاں حقیقی معنی کو ہی ترجیح دینی چاہیے۔ امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ جب صفت معیت میں حقیقی معنی مراد لیتے ہیں تو ان کے نزدیک اس کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ اللہ عزوجل اس زمین میں ہمارے ساتھ ہے' بلکہ وہ صفت فوقیت کے ساتھ یعنی ہمارے اوپر ہوتے ہوئے' ہمارے ساتھ ہے' کے قائل ہوتے ہیں۔ پس ذاتِ باری تعالیٰ کی معیت جہتِ علو میں ہے جیسا کہ امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے چاند کی معیت کی مثال بیان کی ہے۔

اسی طرح سلف صالحین کی ایک جماعت 'معیت' سے مراد 'علم' لیتی ہے تو وہ دراصل جہمیہ کا رد کرنے کے لیے' اختلاط والی معیت سے مراد 'علم' لیتے ہیں تاکہ اللہ کے زمین میں ہمارے ساتھ ہونے کے عقیدہ کی نفی کی جائے۔ باقی رہا اللہ عزوجل کا آسمانوں اور عرش پر ہوتے ہوئے اہل زمین کے ساتھ ہونا' تو اس کا انکار سلف صالحین نہیں کرتے ہیں۔ دوسرے الفاظ میں ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ اختلاط والی معیت کے معنی کی نفی کرنے کے لیے سلف صالحین کی ایک جماعت نے معیت کی تاویل علم سے کی ہے۔ پس اس زمین میں ہمارے ساتھ اللہ کے علم یا قدرت یا نصرت کی معیت ہے' جبکہ آسمانوں میں اور عرش پر سے صفت فوقیت کے ساتھ' اللہ کی معیت ہمارے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ساتھ، حقیقی ہے۔ اور اس معیت حقیقی کی سلف صالحین نے تاویل نہیں کی ہے۔

اگر کوئی شخص یہ کہے کہ سلف صالحین کی ﴿وَهُوَ مَعَكُمْ اَيْنَمَا كُنْتُمْ﴾ سے مراد ''وهو علمكم أينما كنتم'' ہے تو یہ سلف صالحین پر بہتانِ عظیم ہے اور عقل و منطق میں اس تقدیر عبارت کی کوئی دلیل نہیں ہے بلکہ اس سے کفر و شرک لازم آتا ہے۔ ہاں! اگر کوئی شخص یہ کہے کہ سلف صالحین نے ﴿وَهُوَ مَعَكُمْ اَيْنَمَا كُنْتُمْ﴾ سے مراد ''وهو معكم بعلمه أينما كنتم'' لی ہے تو یہ بات درست ہے۔ بہت ہی غور طلب نکتہ یہ ہے کہ سلف صالحین صفت معیت کا انکار نہیں کرتے بلکہ معیت کی تشریح علم کے ساتھ کرتے ہیں، یعنی سلف صالحین کے نزدیک 'معیت' سے مراد 'علم' نہیں بلکہ 'معیتِ علمی' ہے۔ اب کیا اللہ کی صفت علم کو اس کی ذات سے علیحدہ کیا جا سکتا ہے؟ یعنی بفرضِ محال مان لیا کہ اللہ کی معیت سے مراد اس کی 'معیتِ علمی' ہے نہ کہ 'معیت ذاتی' تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا اللہ کا علم اس کی ذات سے علیحدہ ہوتے ہمارے ساتھ ہے یا اس کی ذات کے ساتھ ہوتے ہوئے ہمارے ساتھ ہے؟ بس اس کا جواب دے دیں تو مسئلہ 'اِن شاء اللہ' بہت سوں پر واضح ہو جائے گا۔

پس کسی ذات کے علاوہ مجرد علم کی معیت کا کوئی تصور بھی عقل و منطق میں ممکن ہے؟ 'علم' صفاتِ لازمہ میں سے ہے یعنی یہ ایک ایسی صفت ہے جو ذات کے لیے لازم ہے' بغیر ذات کے علم کا کوئی تصور ہی ممکن نہیں ہے۔ پس علم کی معیت سے مراد بھی علم مع ذات کی معیت ہو سکتی ہے نہ کہ مجرد علم کی معیت۔ **فافهم وتدبر!** ہمارے نزدیک صفت فوقیت اور صفتِ معیت میں تضاد نہیں ہے۔ یعنی صفتِ معیت مع فوقیت ہے یا دوسرے الفاظ میں یہ معیت اُوپر سے ہے۔ ہم صفتِ معیت اور فوقیت دونوں میں سے کسی میں بھی تاویل کے قائل نہیں ہیں اور دونوں کو حقیقت پر محمول کرتے ہیں اور اختلاط والی معیت کا انکار عقل کی روشنی میں نہیں بلکہ صفتِ فوقیت کی نصوص کی وجہ سے کرتے ہیں۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ صفت معیت میں سلف صالحین کی تشریح تاویل نہیں ہے' جبکہ معاصر سلفیہ صفتِ معیت میں تاویل کرتے ہیں۔ متقدمین سلفیہ نے معیت فوقیت کا انکار نہیں کیا ہے جو کہ معیت کا حقیقی معنی ہے جبکہ معاصر سلفیہ نے وجودیوں کے رد میں غلو کرتے ہوئے معیت فوقیت کا انکار کر دیا ہے۔ اگر یہ سوال ہو کہ سلف صالحین نے اگر معیت فوقیت کا انکار نہیں کیا ہے تو اثبات کہاں کیا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ انہوں نے اثبات بھی کیا ہے کیونکہ جب سلف صالحین معیت علمی مراد لیتے ہیں تو یہ ایسے علم کی معیت ہے جو اللہ کی ذات کے ساتھ قائم ہے۔ پس سلف صالحین معیت ذاتیہ فوقیہ کے قائل ہیں۔ اسی لیے ان کے کلام میں معیت فوقیہ ذاتیہ کا انکار نہیں ہے جبکہ معیت اختلاط کا انکار ہے۔ معاصر سلفیہ نے معیت علمی کا اثبات تو کر دیا لیکن اس شئے کا بھی انکار کر دیا کہ جس کا انکار سلف صالحین سے منقول نہیں تھا یعنی معیت فوقیہ ذاتیہ۔ اس سے سلف صالحین کا موقف صحیح پیش نہ ہو سکا' کیونکہ اس موقف میں متاخرین کی تشریح بھی شامل ہو گئی تھی۔

© rasailojaraid.com

حواشی

(۱) ﴿اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِیْ سِتَّةِ اَیَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ یُدَبِّرُ الْاَمْرَ ؕ مَا مِنْ شَفِیْعٍ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ اِذْنِهٖ ؕ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ ؕ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ③﴾ (یونس)، ﴿اَللّٰهُ الَّذِیْ رَفَعَ السَّمٰوٰتِ بِغَیْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ؕ كُلٌّ یَّجْرِیْ لِاَجَلٍ مُّسَمًّی ؕ﴾ (الرعد:۲)، ﴿اَلرَّحْمٰنُ عَلَی الْعَرْشِ اسْتَوٰی ⑤﴾ (طٰه) ﴿الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَیْنَهُمَا فِیْ سِتَّةِ اَیَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ ۚ اَلرَّحْمٰنُ فَسْـَٔلْ بِهٖ خَبِیْرًا ㊾﴾ (الفرقان) ﴿اَللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَیْنَهُمَا فِیْ سِتَّةِ اَیَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ ؕ مَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ مِنْ وَّلِیٍّ وَّلَا شَفِیْعٍ ؕ اَفَلَا تَتَذَكَّرُوْنَ ④﴾ (السجدة) ﴿هُوَ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِیْ سِتَّةِ اَیَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ ؕ یَعْلَمُ مَا یَلِجُ فِی الْاَرْضِ وَمَا یَخْرُجُ مِنْهَا وَمَا یَنْزِلُ مِنَ السَّمَآءِ وَمَا یَعْرُجُ فِیْهَا ؕ وَهُوَ مَعَكُمْ اَیْنَ مَا كُنْتُمْ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ ④﴾ (الحدید)

(۲) ﴿وَهُوَ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِیْ سِتَّةِ اَیَّامٍ وَّكَانَ عَرْشُهٗ عَلَی الْمَآءِ لِیَبْلُوَكُمْ اَیُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ؕ﴾ (هود:۷) كَانَ اللّٰهُ وَلَمْ يَكُنْ شَيْءٌ قَبْلَهُ، وَكَانَ عَرْشُهُ عَلَى المَاءِ، ثُمَّ خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالأَرْضَ، وَكَتَبَ فِي الذِّكْرِ كُلَّ شَيْءٍ (صحیح البخاری ج۹، ص ۱۲۴)

(۳) ﴿قُلْ مَنْ رَّبُّ السَّمٰوٰتِ السَّبْعِ وَرَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِیْمِ ㊻﴾ (المؤمنون)، ﴿فَتَعٰلَی اللّٰهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ ۚ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ رَبُّ الْعَرْشِ الْكَرِیْمِ ⑪⑯﴾ (المؤمنون)

(٤) ﴿قُلْ لَّوْ كَانَ مَعَهٗۤ اٰلِهَةٌ كَمَا یَقُوْلُوْنَ اِذًا لَّابْتَغَوْا اِلٰی ذِی الْعَرْشِ سَبِیْلًا ㊷﴾ (الاسراء)

(۵) ﴿وَتَرَی الْمَلٰٓئِكَةَ حَآفِّیْنَ مِنْ حَوْلِ الْعَرْشِ یُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ ۚ وَقُضِیَ بَیْنَهُمْ بِالْحَقِّ وَقِیْلَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ㊼﴾ (الزمر)

(٦) ﴿اَلَّذِیْنَ یَحْمِلُوْنَ الْعَرْشَ وَمَنْ حَوْلَهٗ یُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَیُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَیَسْتَغْفِرُوْنَ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ۚ رَبَّنَا وَسِعْتَ كُلَّ شَیْءٍ رَّحْمَةً وَّعِلْمًا فَاغْفِرْ لِلَّذِیْنَ تَابُوْا وَاتَّبَعُوْا سَبِیْلَكَ وَقِهِمْ عَذَابَ الْجَحِیْمِ ⑦﴾ (غافر)، ﴿وَّالْمَلَكُ عَلٰۤی اَرْجَآئِهَا ؕ وَیَحْمِلُ عَرْشَ رَبِّكَ فَوْقَهُمْ یَوْمَئِذٍ ثَمٰنِیَةٌ ⑰﴾ (الحاقة)

(۷) سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهِ، عَدَدَ خَلْقِهِ وَرِضَا نَفْسِهِ وَزِنَةَ عَرْشِهِ وَمِدَادَ كَلِمَاتِهِ (مسلم بن الحجاج أبو الحسن القشیری النیسابوری، صحیح مسلم، کتاب الذِّكْرِ وَالدُّعَاءِ وَالتَّوْبَةِ وَالِاسْتِغْفَارِ، بَابُ التَّسْبِيحِ أَوَّلَ النَّهَارِ وَعِنْدَ النَّوْمِ، دار إحياء التراث العربی، بیروت، ج۲، ص ۲۰۹۰۔

(۸) حَمَلة العرش: إن ما بين شَحمةِ أُذُنِه إلى عاتِقِه مَسيرةُ سبع مائةِ عام (أبوداوٗد، سلیمان بن الأشعث السِّجِسْتانی، سنن أبی داود، دار الرسالة العالمیة، الطبعة الأولى، ۱٤۳۰ھ-۲۰۰۹م، ج۷، ص۱۰۹

(۹) اهْتَزَّ عَرْشُ الرَّحْمَنِ عَزَّ وَجَلَّ لِمَوْتِ سَعْدِ بْنِ مُعَاذٍ (ابن ماجة، أبو عبد اللّٰه محمد بن یزید القزوینی، افتتاح الکتاب فی الإیمان وفضائل الصحابة والعلم، فَضْلُ سَعْدِ بْنِ مُعَاذٍ، دار إحیاء الکتب العربیة، فیصل عیسى البابی الحلبی، ج۱، ص ٥٦۔

(۱۰) النَّاسُ يَصْعَقُونَ يَوْمَ القِيَامَةِ، فَإِذَا أَنَا بِمُوسَى آخِذٌ بِقَائِمَةٍ مِنْ قَوَائِمِ العَرْشِ (صحیح البخاری، کتاب

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

التَّوحِيدِ، بَابُ ﴿وَكَانَ عَرْشُهُ عَلَى الْمَاءِ﴾، ج۹، ص ۱۲۶۔) لَا تُخَيِّرُونِي عَلَى مُوسَى، فَإِنَّ النَّاسَ يَصْعَقُونَ فَأَكُونُ أَوَّلَ مَنْ يُفِيقُ، فَإِذَا مُوسَى بَاطِشٌ بِجَانِبِ الْعَرْشِ، فَلَا أَدْرِي أَكَانَ، فِيمَنْ صَعِقَ فَأَفَاقَ قَبْلِي أَمْ كَانَ مِمَّنِ اسْتَثْنَى اللّٰهُ (صحيح مسلم' كتاب الْفَضَائِلِ' بَابُ مِنْ فَضَائِلِ مُوسَى ﷺ، ج٤، ص ١٨٤٤)

(١١) فَيَأْتُونِّي فَيَقُولُونَ :يَا مُحَمَّدُ' أَنْتَ رَسُولُ اللّٰهِ، وَخَاتَمُ الْأَنْبِيَاءِ، وَغَفَرَ اللّٰهُ لَكَ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ، اشْفَعْ لَنَا إِلَى رَبِّكَ، أَلَا تَرَى مَا نَحْنُ فِيهِ؟ أَلَا تَرَى مَا قَدْ بَلَغَنَا؟ فَأَنْطَلِقُ، فَآتِي تَحْتَ الْعَرْشِ، فَأَقَعُ سَاجِدًا لِرَبِّي، ثُمَّ يَفْتَحُ اللّٰهُ عَلَيَّ وَيُلْهِمُنِي مِنْ مَحَامِدِهِ، وَحُسْنِ الثَّنَاءِ عَلَيْهِ شَيْئًا لَمْ يَفْتَحْهُ لِأَحَدٍ قَبْلِي، ثُمَّ يُقَالُ : يَا مُحَمَّدُ، ارْفَعْ رَأْسَكَ، سَلْ تُعْطَهْ، اشْفَعْ تُشَفَّعْ (صحيح مسلم' كِتَابُ الْإِيمَانِ، بَابُ أَدْنَى أَهْلِ الْجَنَّةِ مَنْزِلَةً فِيهَا، ج١، ص ١٨٤)

(١٢) مَنْ أَنْظَرَ مُعْسِرًا، أَوْ وَضَعَ لَهُ، أَظَلَّهُ اللّٰهُ فِي ظِلِّ عَرْشِهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ (أبو عبد الله أحمد بن محمد بن حنبل بن هلال بن أسد الشيباني، مسند الإمام أحمد بن حنبل، مؤسسة الرسالة، الطبعة الأولى، ١٤٢١هـ-٢٠٠١م، ج١٤، ص ٣٢٩)

(١٣) عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُودٍ، أَنَّهُ سُئِلَ عَنْ قَوْلِهِ:﴿وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ قُتِلُوا فِي سَبِيلِ اللّٰهِ أَمْوَاتًا بَلْ أَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُونَ﴾ فَقَالَ :أَمَا إِنَّا قَدْ سَأَلْنَا عَنْ ذَلِكَ' فَأُخْبِرْنَا أَنَّ أَرْوَاحَهُمْ فِي طَيْرٍ خُضْرٍ تَسْرَحُ فِي الْجَنَّةِ حَيْثُ شَاءَتْ، وَتَأْوِي إِلَى قَنَادِيلَ مُعَلَّقَةٍ بِالْعَرْشِ، فَاطَّلَعَ إِلَيْهِمْ رَبُّكَ اطِّلَاعَةً، فَقَالَ :هَلْ تَسْتَزِيدُونَ شَيْئًا فَأَزِيدُكُمْ؟ قَالُوا رَبَّنَا :وَمَا نَسْتَزِيدُ وَنَحْنُ فِي الْجَنَّةِ نَسْرَحُ حَيْثُ شِئْنَا؟ ثُمَّ اطَّلَعَ عَلَيْهِمُ الثَّانِيَةَ' فَقَالَ :هَلْ تَسْتَزِيدُونَ شَيْئًا فَأَزِيدُكُمْ؟ فَلَمَّا رَأَوْا أَنَّهُمْ لَا يُتْرَكُونَ قَالُوا :تُعِيدُ أَرْوَاحَنَا فِي أَجْسَادِنَا حَتَّى نَرْجِعَ إِلَى الدُّنْيَا' فَنُقْتَلَ فِي سَبِيلِكَ مَرَّةً أُخْرَى .(سنن الترمذي' أَبْوَابُ تَفْسِيرِ الْقُرْآنِ عَنْ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ، بَابٌ :وَمِنْ سُورَةِ آلِ عِمْرَانَ، دار الغرب الإسلامي، بيروت، ١٩٩٨م، ج٥، ص ٨١)

(١٤) الرَّحِمُ مُعَلَّقَةٌ بِالْعَرْشِ تَقُولُ مَنْ وَصَلَنِي وَصَلَهُ اللّٰهُ، وَمَنْ قَطَعَنِي قَطَعَهُ اللّٰهُ (صحيح مسلم' كتاب الْبِرِّ وَالصِّلَةِ وَالْآدَابِ، بَابُ صِلَةِ الرَّحِمِ وَتَحْرِيمِ قَطِيعَتِهَا، ج٤، ص ١٩٨١)

(١٥) عَنْ أَبِي ذَرٍّ قَالَ: سَأَلْتُ النَّبِيَّ ﷺ عَنْ قَوْلِهِ :(وَالشَّمْسُ تَجْرِي لِمُسْتَقَرٍّ لَهَا)، قَالَ : مُسْتَقَرُّهَا تَحْتَ الْعَرْشِ (صحيح البخاري كِتَابُ التَّوْحِيدِ، بَابُ قَوْلِ اللّٰهِ تَعَالَى: ﴿تَعْرُجُ الْمَلَائِكَةُ وَالرُّوحُ إِلَيْهِ﴾' ج۹، ص ۱۲٦)

(١٦) إِنَّ فِي الْجَنَّةِ مِائَةَ دَرَجَةٍ، أَعَدَّهَا اللّٰهُ لِلْمُجَاهِدِينَ فِي سَبِيلِهِ، كُلُّ دَرَجَتَيْنِ مَا بَيْنَهُمَا كَمَا بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ، فَإِذَا سَأَلْتُمُ اللّٰهَ فَسَلُوهُ الْفِرْدَوْسَ، فَإِنَّهُ أَوْسَطُ الْجَنَّةِ، وَأَعْلَى الْجَنَّةِ، وَفَوْقَهُ عَرْشُ الرَّحْمٰنِ، وَمِنْهُ تَفَجَّرُ أَنْهَارُ الْجَنَّةِ (محمد بن إسماعيل أبو عبدالله البخاري الجعفي، صحيح البخاري، كِتَابُ التَّوحِيدِ، بَابُ﴿وَكَانَ عَرْشُهُ عَلَى الْمَاءِ﴾' دار طوق النجاة' الطبعة الأولى، ١٤٢٢هـ، ج٩، ص ١٢٥)

(١٧) فَكَانَتْ زَيْنَبُ تَفْخَرُ عَلَى أَزْوَاجِ النَّبِيِّ ﷺ تَقُولُ :زَوَّجَكُنَّ أَهَالِيكُنَّ' وَزَوَّجَنِي اللّٰهُ تَعَالَى مِنْ فَوْقِ سَبْعِ سَمٰوَاتٍ (صحيح البخاري، كِتَابُ التَّوحِيدِ، بَابُ ﴿وَكَانَ عَرْشُهُ عَلَى الْمَاءِ﴾، ج٩، ص ١٢٤)

(١٨) إِنَّ اللّٰهَ لَمَّا قَضَى الْخَلْقَ، كَتَبَ عِنْدَهُ فَوْقَ عَرْشِهِ :إِنَّ رَحْمَتِي سَبَقَتْ غَضَبِي (صحيح البخاري، كِتَابُ التَّوحِيدِ، بَابُ ﴿وَكَانَ عَرْشُهُ عَلَى الْمَاءِ﴾، ج٩، ص ١٢٥)

(١٩) سنن الترمذي، أَبْوَابُ تَفْسِيرِ الْقُرْآنِ عَنْ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ، بَابٌ :وَمِنْ سُورَةِ هُودٍ، ج٥، ص ٢٨٨

(٢٠) ابن تيمية، أحمد بن عبد الحليم الحراني، درء تعارض العقل والنقل، جامعة الإمام محمد بن سعود الإسلامية، المملكة العربية السعودية، الطبعة الثانية، ١٤١١ هـ ١٩٩١ م، ج٢، ص ٣٤٠

(٢١) مجموع الفتاوى، باب ٥، ص ٤٣٧۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

(۲۲) عہد جدید، متی کی انجیل، باب ۵، آیت۱۶
(۲۳) متی کی انجیل، باب۵، آیت ۳۴۔
(۲۴) متی کی انجیل، باب۲۲، آیت ۲۳
(۲۵) متی کی انجیل، باب۲۶، ص ۱۱
(۲۶) اعمال، باب۷، آیت ۴۹٬۴۷
(۲۷) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ :الْكُرْسِيُّ مَوْضِعُ الْقَدَمَيْنِ(ابن خزیمة٬ أبو بكر محمد بن إسحاق النيسابورى (المتوفى۳۱۱هـ)٬ كتاب التوحيد وإثبات صفات الرب عز وجل، مكتبة الرشد، الرياض، الطبعة الخامسة، ۱٤۱٤هـ ـ ۱۹۹٤م، ج۱، ص ۲٤۹۔
(۲۸) الميساوى، أم عبد الله، عقيدة السلف الصالح أهل السنة والجماعة فى صفة الاسْتِوَاء وعُلُوِّ الله على خَلْقِه، موقع عقيدة السلف الصالح،۲۰۰۹ء
(۲۹) الاعتقاد والهداية إلى سبيل الرشاد على مذهب السلف وأصحاب الحديث،ج۱،ص۱۱٦
(۳۰) الآجُرِّيُّ، أبو بكر محمد بن الحسين بن عبد الله البغدادى، الشريعة، دارالوطن، الرياض، الطبعة الثانية، ۱٤۲۰هـ ۱۹۹۹ـم، ج۳، ص ۱۰۷٦۔
(۳۱) محمد بن إسماعيل بن إبراهيم بن المغيرة البخارى، خلق أفعال العباد، دار المعارف السعودية، الرياض، ص ٤۲٬۳٤۔
(۳۲) اللالكائى، أبو القاسم هبة الله بن الحسن بن منصور الطبرى، شرح أصول اعتقاد أهل السنة والجماعة، دار طيبة، السعودية، الطبعة الثامنة، ۱٤۲۳هـ/۲۰۰۳م، ج۳، ص ٤٤۰۔
(۳۳) الدارمى، أبو سعيد عثمان بن سعيد بن خالد بن سعيد السجستانى، الرد على الجهمية، دار ابن الأثير، الكويت، الطبعة الثانية، ۱٤۱٦هـ ۱۹۹٥ـم، ج۲، ص ٤۷
(۳٤) خلق أفعال العباد ۳۰
(۳٥) شرح أصول اعتقاد أهل السنة والجماعة،ج۳، ص ٤٤۱
(۳٦) شرح أصول اعتقاد أهل السنة والجماعة، ج۳، ص ٤٤۲
(۳۷) شرح أصول اعتقاد أهل السنة والجماعة، ج۳، ص ٤٤٥
(۳۸) الاعتقاد والهداية إلى سبيل الرشاد على مذهب السلف وأصحاب الحديث، ج۱، ص ۱۱۸
(۳۹) الشافعى، أبو عبد الله محمد بن إدريس القرشى، المسند، دار الكتب العلمية، بيروت، ۱٤۰۰هـ،ج۱، ص ۷۰۔
(٤۰) شرح أصول اعتقاد أهل السنة والجماعة، ج۳، ص ٥۸۸۔
(٤۱) شرح أصول اعتقاد أهل السنة والجماعة، ج۳، ص ٥۸۲۔
(٤۲) تَفَكَّرُوا فِي خَلْقِ اللهِ٬ وَلَا تفَكَّرُوا فِي اللهِ (الألبانى٬ ناصر الدين محمد بن الحاج الأشقودرى، صحيح الجامع الصغير وزياداته، المكتب الإسلامى، ج۱، ص ٥۷۲)
(٤۳) صحيح البخارى، كِتَابُ بَدْءِ الخَلْقِ، بَابُ صِفَةِ إِبْلِيسَ وَجُنُودِهِ٬ ٤/
(٤٤) ابن بطة، عبيد الله بن محمد بن محمد بن حمدان العُكْبَرى، الإبانة الكبرى، دار الراية للنشر والتوزيع، الرياض، الطبعة الأولى، ۱٤۱۸هـ، ج۷، ص ۱۳۹ـ۱٤۱۔
(٤٥) مجموع الفتاوىٰ: ج٥، ص ۱٥۲۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

(٤٦) الغزالی، أبو حامد محمد بن محمد الطوسی، الاقتصاد فی الاعتقاد، دار الکتب العلمیة، بیروت، الطبعة الأولی، ١٤٢٤ هـ ـ ٢٠٠٤ م، ص ٣٨
(٤٧) المُلک: ١٦ـ١٧
(٤٨) القرطبی، محمد بن أحمد بن أبی بکر الأنصاری، (المتوفی٦٧١هـ)' الجامع لأحکام القرآن، دارالکتب المصریة، القاهرة، الطبعة الثانیة، ١٣٨٤هـ ١٩٦٤ م، ج١٨، ص ٢١٥، المظهری، محمد ثناء اللّٰه، التفسیر المظهری، مکتبة الرشدیة، الباکستان، ١٤١٢ هـ، ج١٠، ص ٢٥
(٤٩) السیوطی، عبد الرحمٰن بن أبی بکر، جلال الدین، (المتوفی٩١١: هـ)، الدر المنثور، دار الفکر، بیروت، ج٨، ص ٢٣٨ـ
(٥٠) الطبری، محمد بن جریر بن یزید الآملی، جامع البیان فی تأویل القرآن، مؤسسة الرسالة، بیروت، الطبعة الأولی، ١٤٢٠هـ ٢٠٠٠م، ج٢٣، ص ٥١٣ـ
(٥١) الألوسی، شهاب الدین محمود بن عبد اللّٰه الحسینی، روح المعانی فی تفسیر القرآن العظیم والسبع المثانی، دار الکتب العلمیة، بیروت، الطبعة الأولی، ١٤١٥ هـ، ج١٥، ص ١٨ـ١٧، المراغی، أحمد بن مصطفی، تفسیر المراغی، شرکة مکتبة ومطبعة مصطفی البابی الحلبی وأولاده، بمصر، الطبعة الأولی، ١٣٦٥ هـ ١٩٤٦ م، ج٢٩، ص ١٦
(٥٢) غافر: ٣٦ـ٣٧
(٥٣) سنن أبی داوٗد، کِتَاب السُّنَّةِ، بَابٌ فِی الْجَهْمِيَّةِ، ج٧، ص ١٠٧ـ١٠٩ـ خلق افعال العباد، ٤٢ـ
(٥٤) سنن الترمذی، أَبْوَابُ الْبِرِّ وَالصِّلَةِ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ، بَابُ مَا جَاءَ فِي رَحْمَةِ الْمُسْلِمِينَ، ج٤، ص ٣٢٣ ـ
(٥٥) صحیح مسلم، کِتَابُ النِّكَاحِ، بَابُ تَحْرِيمِ امْتِنَاعِهَا مِنْ فِرَاشِ زَوْجِهَا، ج٢، ص ١٠٦٠
(٥٦) مالك بن أنس بن مالك بن عامر الأصبحی المدنی، الموطأ، کِتَابُ الْعَتَاقَةِ، وَالْوَلَاءِ مَا يَجُوزُ مِنَ الْعِتْقِ فِي الرِّقَابِ الْوَاجِبَةِ، مؤسسة زاید بن سلطان آل نهیان للأعمال الخیریة والإنسانیة، أبو ظبی الإمارات، الطبعة الأولی، ١٤٢٥هـ ٢٠٠٤ م، ج٥، ص ١١٢٨ـ
(٥٧) سنن ابن ماجه، کِتَابُ الزُّهْدِ، بَابُ ذِكْرِ الْمَوْتِ وَالِاسْتِعْدَادِ لَهُ، ج٢، ص ١٤٢٣
(٥٨) وَلَكِنْ رَبُّنَا عَزَّ وَجَلَّ إِذَا قَضَى أَمْرًا سَبَّحَ لَهُ حَمَلَةُ الْعَرْشِ ثُمَّ سَبَّحَ أَهْلُ السَّمَاءِ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ حَتَّى يَبْلُغَ التَّسْبِيحُ إِلَى هَذِهِ السَّمَاءِ (محمد بن عیسی بن سَوْرة بن موسی بن الضحاك، الترمذی، سنن الترمذی، أَبْوَابُ تَفْسِيرِ الْقُرْآنِ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ، بَابٌ :وَمِنْ سُورَةِ سَبَأ، شرکة مکتبة ومطبعة مصطفی البابی الحلبی، مصر، الطبعة الثانیة، ١٣٩٥هـ١٩٧٥م، ج٥، ص ٣٦٢ـ
(٥٩) ﴿إِلَيْهِ يَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّيِّبُ﴾ (فاطر: ١٠)
(٦٠) ﴿بَلْ رَّفَعَهُ اللَّهُ إِلَيْهِ﴾ (النساء: ١٥٨)
(٦١) ﴿يَخَافُونَ رَبَّهُم مِّن فَوْقِهِمْ﴾ (النحل: ٥٠)
(٦٢) ﴿ذِي الْمَعَارِجِ ۝ تَعْرُجُ الْمَلَائِكَةُ وَالرُّوحُ إِلَيْهِ﴾ (المعارج: ٤)
(٦٣) حنیف ندوی، مولانا، عقلیات ابن تیمیه، ادراه ثقافت اسلامیه، لاهور، طبع دوم، ٢٠٠١ء، ص ٢١٠
(٦٤) سلسلة الأحادیث الصحیحة: ١
(٦٥) محمد بن صالح بن محمد العثیمین، شرح العقیدة الواسطیة، دار ابن الجوزی للنشر والتوزیع، المملکة العربیة السعودیة، الطبعة السادسة، ١٤٢١هـ، ج١، ص ٤٠٢، ٤٠٣ـ

© rasailojaraid.com